قرآن کریم اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۲   شمارہ: ۱

محرم الحرام: ۱۴۴۰ھ - اکتوبر: ۲۰۱۸ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ:74800، پوسٹ بکس نمبر:3465

فون دفتر ''بینات'':021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر:7-397-101900 برانچ کوڈ:0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ

انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا

وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس:+92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

''عاطف میاں'' کی مخالفت کیوں؟		
وجوہ - اسباب - محرکات	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
جناب جاوید چوہدری صاحب کی خدمت میں		

مقالات و مضامین

خوارق ومعجزات اور سائنس!	۲۱	حضرت مولانا بدیع الزمانؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۱۶)	۲۸	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
تدریب المُعلِّمین ......وقت کی اہم ضرورت!	۳۲	مولانا عمران عیسیٰ
نرم مزاجی کی اہمیت!	۳۹	مفتی محمد عبداللہ قاسمی
حضرت محمد ﷺ بطور منتظم	۴۵	مولانا عبدالصبور شاکر

یادِ رفتگان

حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنیؒ	۵۱	محمد اعجاز مصطفیٰ
شوقِ علم اور صبر و ہمت کی تصویرِ مجسّم... متعلم عبداللہ عرفانؒ	۵۵	مولانا محمد یاسر عبداللہ

دار الافتاء

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ تبلیغِ دین!	۵۹	ادارہ

نقد و نظر

	۶۲	ادارہ

''عاطف میاں'' کی مخالفت کیوں؟

وجوہ - اسباب - محرکات

جناب جاوید چوہدری صاحب کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

محترم جناب وزیراعظم عمران احمد خان نیازی صاحب نے الیکشن مہم میں پاکستان کو مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست بنانے کے لیے عوام سے ووٹ مانگے۔ نظر بظاہر عوام نے ان پر اعتماد کیا، جس کی بنا پر وہ وزیراعظم بنا دیئے گئے۔ انہیں دنوں ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایک رکن کے خلاف پوری مسلم برادری سمیت پاکستان میں بھی غم وغصہ، جلسے جلوس اور مظاہرے ہورہے تھے، جس نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانے والوں میں مقابلہ کرانے اور انعام دینے کے لیے اعلان کررکھا تھا۔ جناب عمران خان صاحب نے بحیثیت وزیراعظم سینیٹ میں تقریر کی اور اسلامیانِ پاکستان کی پوری پوری ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہم او۔آئی۔سی کا اجلاس بلاکران سے قرارداد منظور کرانے کے بعد متفقہ طور پر اقوام متحدہ سے مطالبہ کریں گے کہ اس بارہ میں قانون سازی کی جائے کہ دنیا کے تمام مذاہب کی مقدس شخصیات کی توہین اور تذلیل قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے، تاکہ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے رُک جائے۔ وزیراعظم کی اس تقریر کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔

جناب وزیر اعظم صاحب نے حکومت بنانے کے ساتھ ہی ۱۸ رکنی اکنامک ایڈوائزری کونسل کا اعلان کیا، جس کی فہرست میں ایک نام اسلام سے مرتد ''عاطف میاں'' قادیانی کا بھی لیا گیا، عاطف میاں پاکستانی ماں باپ کے ہاں براعظم افریقہ کے ملک نائیجیریا میں پیدا ہوا، امریکہ پڑھنے کے لیے گیا، وہاں احمد شیخ نامی قادیانی مبلغ نے اس سے دوستی گانٹھی، آٹھ سال تک اس کے پیچھے لگا رہا، بالآخر ۲۰۰۲ء میں اس کو اسلام سے مرتد کرا کر قادیانیت میں داخل کیا۔ اس نے معاشیات میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ یہ اس وقت قادیانیوں کی جماعت خدام احمدیہ کا سرگرم رکن ہے، اور یہ لندن میں مرزا مسرور کا مالیاتی مشیر اور اس مرکز کا مالیاتی نگران اور افریقہ میں قادیانی مشن کا سربراہ ہے۔ اس کے والدین اس کے قادیانی ہونے کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کیے ہوئے ہیں۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بارہ میں عمران خان صاحب نے اسلام آباد ڈی چوک کے دھرنے کے دنوں میں کہا تھا کہ میں جب حکومت میں آؤں گا تو ''عاطف میاں'' کو وزیر خزانہ بناؤں گا۔ ایک انٹرویو کے دوران جب ان سے سوال کیا گیا کہ ''عاطف میاں'' قادیانی ہے، کیا آپ پاکستان جیسے ایک اسلامی ملک میں افریقہ میں پیدا ہونے والے ایک قادیانی کو وزیر خزانہ بنائیں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ قادیانی ہے۔ اب جب اس اکنامک ایڈوائزری میں اس کا نام سامنے آیا تو پوری مذہبی، دینی اور سیاسی تنظیموں اور جماعتوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی، جس پر وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب نے ایک پریس کانفرنس کے دوران عاطف میاں کے بارہ میں سوال کے جواب میں کہا کہ: ''کیا اقلیتوں کے کردار کے بارہ میں پابندی لگا دینی چاہیے؟ کیا ہمارے ملک میں جو اقلیتیں ہیں، ان کو اُٹھا کر باہر پھینک دینا چاہیے؟ انہوں نے عاطف میاں کی تقرری پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں یہ بھی کہا کہ کس قسم کے یہ لوگ ہیں جو یہ باتیں کر رہے ہیں؟! پوری دنیا کہہ رہی ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں اس کو نوبل انعام ملنا ہے۔ اکنامک ایڈوائزری میں اس کو لگایا ہے، کوئی اس کو اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر تو نہیں لگایا۔ پاکستان اقلیتوں کا بھی اتنا ہے جو پاکستان میں اکثریت ہے، ان کا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ کسی کو اس کے اوپر اعتراض کرنا چاہیے اور جو اعتراض کر رہے ہیں، وہ بنیادی طور پر ایکسٹری مسٹ (انتہا پسند) ہیں اور ہم نے ایکسٹری مسٹوں کے سامنے نہیں جھکنا۔ ہر مسلمان کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ بسنے والے لوگوں کی حفاظت کرے۔ اور یہ کوئی بات نہیں ہے کہ جو آپ کی پسند کا نہیں ہے، ان کو اُٹھا کر بحیرۂ عرب میں پھینک دیں۔'' یہ ہیں وہ فرمودات جو انہوں نے کہے۔

وزیر اطلاعات کی کانفرنس کے بعد کچھ صحافی بھائیوں نے بھی اپنے کالم اور ٹی وی پروگراموں

کے ذریعے وزیرموصوف کی بات کوآگے بڑھایا۔ روزنامہ ایکسپریس کے صحافی جناب جاوید چوہدری صاحب نے بھی اپنے کالم: ''کیا قائداعظم کو پتانہیں تھا؟'' میں عاطف میاں کی تعریف میں خوب آسمان وزمین کے قلابے ملائے اور کہا کہ: چوہدری فواد، ایاز صادق، شہلا رضا اور احسن اقبال کی بھی سن لیں۔ اورساتھ چندسوالات، اعتراضات واشکالات بھی اُٹھائے:

ا:-کیا یہ ملک صرف مسلمانوں کا ہے؟ اورمسلمان بھی دیوبندی؟

۲:-ہم نے ہندوؤں کو نکالا، پھر پاکستانی یہودیوں کو، پھر چن چن کر پڑھے لکھے اور ماہر عیسائیوں کو، پھر مہذب، صلح جو اور کامیاب بزنس مین پارسیوں کو اور اب ہم ہر اس قادیانی کے پیچھے لگ گئے ہیں جو اس ملک میں کام کرنا چاہتا ہے، کیوں؟

۳:-قائداعظم محمدعلی جناح نے سرظفراللہ کو پاکستان کا پہلا وزیرخارجہ کیوں بنایا تھا؟

۴:-ظفراللہ خان دنیا کے پہلے وزیرخارجہ تھے جنہوں نے اقوام متحدہ میں فلسطین کا ایشو اٹھایا تھا۔

۵:-وہ پہلے ایشیائی اور واحد پاکستانی تھے جنہوں نے اقوام متحدہ میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کی اور عالمی عدالت انصاف کے صدر بنے۔

۶:-عاطف میاں کے خلاف وہ لوگ تحریک چلارہے ہیں جو ۱۹۴۷ء تک پاکستان کے وجود کے خلاف تھے، کیوں؟ آخر کیوں؟!

اس کے بعد جناب جاوید چوہدری صاحب نے اپنے ممدوح قادیانیوں کے دلی جذبات کو زبان دیتے ہوئے وہ سب کچھ کہہ دیا جو قادیانیوں کی مدتوں سے خواہش تھی اور جو انہوں نے ہر دین بے زار، سیکولر اور دین دشمن طبقے کے دل ودماغ میں ڈال رکھی ہے کہ: ''پھر ہمیں چند بڑے فیصلے کرنا ہوں گے:

۷:-ہمیں مذہب کو پرائیویٹ اسٹیٹس دینا ہوگا۔

۸:-ہمیں اس ملک میں رہنے والے تمام شہریوں کو مذہب، رنگ، نسل اور قبیلے سے بالاتر ہوکر برابری کے حقوق دینا ہوں گے۔ اگر رانا بھگوان داس اور جسٹس کارنیلئس سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بن سکتے ہیں تو پھر یہ ملک کے صدر کیوں نہیں بن سکتے؟

۹:-اگر عاطف میاں پاکستانی شہری ہیں تو یہ پھر اکنامک ایڈوائزری کونسل کے رکن کیوں نہیں بن سکتے؟

۱۰:-اور پارسی اگر ملک کی تجارتی پالیسیوں کے آرکیٹیکٹ ہوسکتے ہیں تو پھر یہ لوگ وزیر کیوں نہیں بن سکتے؟ یہ لوگ ملک کی خدمت کیوں نہیں کرسکتے؟

۱۱:-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر عبداللہ بن ابی کو منافق اعظم ڈکلیئر ہونے کے باوجود ریاستِ مدینہ سے بے دخل نہیں کیا تھا تو پھر ہم اس ملک میں غیر مسلموں کو کام سے روکنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہمیں اپنے دل، سوچ اور ظرف تینوں بڑے کرنا ہوں گے، ورنہ آج ہم جب اسلام کے نام پر ان لوگوں کو نکال رہے ہیں تو کل کوئی ہم سے بڑا مسلمان ہمیں بھی اس ملک سے نکال دے گا۔'' (روزنامہ ایکسپریس، ۶ستمبر ۲۰۱۸ء، بروز جمعرات)

اسی طرح روزنامہ جنگ کے کالم نگار جناب محمد بلال غوری صاحب نے ۶ ستمبر ۲۰۱۸ء کی اشاعت میں ''شکریہ عمران خان'' کے نام سے ایک کالم تحریر کیا: اس میں ایک بات تو یہ لکھی کہ:

۱:-اختلاف دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نا کہ تعصب، بغض اور عناد کے زیر اثر۔

۲:-آپ نے پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کر کے انہیں غیر مسلم قرار دے دیا تو کیا اب اُنہیں اقلیت کے طور پر پاکستان میں جینے کا بھی کوئی حق نہیں؟ اس دلیل کے جواب میں یہ تاویل پیش کی جاتی ہے کہ ان کا معاملہ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر کافروں سے مختلف ہے، یہ پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو نہیں مانتے، جس کی رو سے انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا، یہ ریاست کے باغی ہیں، لہٰذا کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ کیا پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے عدالتی فیصلے کو تسلیم کرتی ہے؟ کیا مسلم لیگ (ن) حالیہ عدالتی فیصلوں کو درست مانتی ہے؟ ایسے گروہ بھی موجود ہیں جو کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کہتے ہیں کہ وہ پاکستان کے آئین کو تسلیم نہیں کرتے۔

یہ دونوں صحافیوں کے چیدہ چیدہ ۱۳ سوالات، اعتراضات و اشکالات ہیں۔

اچھا ہوا کہ وزیر اعظم صاحب نے دانشمندانہ اقدام کرتے ہوئے اسلام سے مرتد قادیانی ''عاطف میاں'' کو اکنامک ایڈوائزری سے الگ کر دیا اور وفاقی وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب نے سجدۂ سہو کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم علماء اور معاشرے کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں اور ایک آدمی کی وجہ سے ہم انتشار نہیں چاہتے۔'' ہم فواد چوہدری صاحب کے ان جذبات کی قدر کرتے ہیں اور انہیں مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ آپ پاکستان کے وفاقی وزیر اطلاعات ہیں، قادیانیوں کے ترجمان نہیں۔ آپ نے جن پاکستانیوں کو ''ایکسٹری مسٹ'' انتہا پسند کہا ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے بلاتفریق مسلک و مذہب تمام مسلم برادری کی دل آزاری ہوئی ہے، آپ کو ان سے معافی مانگنی چاہیے اور یہ کہ آئندہ کے لیے عقل مندوں کے اصول کے مطابق ''پہلے تولو پھر بولو'' کے اصول پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔

اب ہم اپنے صحافی بھائیوں کے اٹھائے گئے سوالات، اشکالات و اعتراضات کا ترتیب وار جواب لکھتے ہیں:

سوال:۱:- کیا یہ ملک صرف مسلمانوں کا ہے؟ اور مسلمان بھی دیوبندی؟

جواب:- یہ ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان نہ صرف مسلمانوں کا ہے، بلکہ اس میں رہنے والی تمام ان قومیتوں اور مذاہب کے ماننے والوں کا بھی ہے جو دل وجان سے اس ملک کے وفادار، آئین کے پاس دار، اپنی شناخت یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی، بہائی وغیرہ کو نہ چھپانے والے، حضور اکرم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری نبی ماننے والوں کو مسلمان کہنے اور اپنے آپ کو اپنے مذہب سے ظاہر کرنے والوں کا بھی ہے۔

باقی آپ کا یہ طعن اور طنز کرنا کہ قادیانیوں کا قلع قمع کرنے والے اور ان کے خلاف تحریک چلانے والے صرف دیوبندی ہیں، یہ ایک ایسی گمراہ کن بات ہے جو صرف اور صرف قادیانیوں اور ان کے مغربی دنیا کے آقاؤں کی کاسہ لیسی اور ان کے مخفی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے سوا کچھ نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے یومِ تاسیس سے لے کر آج تک بلکہ قیام پاکستان سے پہلے انگریز کے ''خود کاشتہ پودے'' کی دسیسہ کاریوں اور انگریز کی اطاعت کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھنے اور مسلم امہ کے جاسوسوں کے گھناؤنے کردار کو آشکارا کرنے والی جماعت مجلس احرار اسلام میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ اور اسلام سے کسی بھی طرح تعلق رکھنے والے افراد سب اس میں شامل تھے، شامل ہیں، اور ان شاء اللہ! اس قادیانی فتنے کے خلاف متحد اور متفق رہیں گے۔

قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ، آج کے صرف کٹھ ملا اور مسلم اُمہ کے افراد کا نہیں، بلکہ اس سے بہت پہلے بقول شورش کشمیری رحمہ اللہ: علامہ اقبالؒ نے قادیانی امت کے عمیق مطالعہ کے فوراً بعد ہندوستان کی برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔ وہ محمد عربی ﷺ کی اُمت میں نقب لگا کر ایک علیحدہ اُمت پیدا کرتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کوئی اُمت پیدا نہ کر سکتے تھے۔ اگر وہ الگ اُمت پیدا کرتے تو اسلامی ملکوں میں انگریزی استعمار کے لیے مفید نہ ہوتے۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کی جمعیت کو اس طرح ڈھالا کہ وہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں، لیکن کام ان سے اس طرح لیا گیا، گویا وہ مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ اور جماعت ہے۔

علامہ نے مزید فرمایا کہ: ۱:- قادیانی مسلمانوں میں صرف سیاسی فوائد کے حصول کی خاطر شامل ہیں، ورنہ وہ تمام عالم اسلام کو اپنے عقائد کی رو سے کافر قرار دیتے ہیں۔

وہ اسلام کی باغی جماعت ہے اور مسلمانوں کو اس مطالبہ کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو اُن سے الگ کر دیا جائے۔ (تحریک ختم نبوت، ص:۲۲۱)

کیوں جناب! علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی صرف دیوبندی تھا جو انگریز حکومت سے قادیانیوں کو

مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ کر رہا تھا؟

سوال:۲:- ہم نے ہندوؤں کو نکالا، پھر پاکستانی یہودیوں کو، پھر چن چن کر پڑھے لکھے اور ماہر عیسائیوں کو، پھر مہذب، صلح جو اور کامیاب بزنس مین پارسیوں کو اور اب ہم ہر اس قادیانی کے پیچھے لگ گئے ہیں جو اس ملک میں کام کرنا چاہتا ہے، کیوں؟

جواب:- جناب جاوید چوہدری صاحب! ہمارا اعتراض قادیانیوں کے پاکستان میں رہنے پر نہیں، مسلمانوں میں رہنے پر ہے۔ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں، شوق سے رہیں۔ پھر اس کا فیصلہ وہ خود ہی کر لیں کہ مسلمانوں کے مسلمات کا استعمال، ان کی ظلی نبوت اور علیحدہ اقلیت کے حسبِ حال ہوگا یا نہیں؟

یہ کہنا کہ پاکستان میں کوئی جماعت یا شخصیت ان کی جان، مال اور آبرو کی دشمن ہے اور انہیں معدوم کرنے کی دوڑ میں لگی ہوئی ہے۔ یہ سراسر بہتان اور الزام تراشی ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قادیانی اُمت ہمارے مطالبہ سے قطع نظر جب خود اپنے پیغمبر اور خلیفہ کی ہدایت اور روایت کے مطابق مسلمانوں سے الگ اُمت ہے تو اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت میں شمار کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ آئین پر بھی عمل ہو اور وہ ملک میں مناصب بھی حاصل کریں۔

یہ بھی چوہدری صاحب آپ نے صرف ہوا میں تیر چلایا ہے کہ ہم نے پاکستانی یہودیوں، ماہر عیسائیوں، مہذب صلح جو اور کامیاب بزنس مین پارسیوں کو پاکستان سے نکالا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے تو ان کو قانون کے حوالہ کریں، تاکہ جو لوگ اس میں ملوث ہیں وہ سامنے آئیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے ساتھ قانون کے مطابق کارروائی کریں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پاکستانی مسلمانوں کو خواہ مخواہ بدنام نہ کریں اور نہ ہی بیرونی دنیا کو پاکستان کے خلاف جگ ہنسائی اور پروپیگنڈہ کا جواز مہیا کریں۔ آپ ماشاء اللہ! دور اندیش اور صاحبِ نظر صحافی ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے اسی کالم کو جواز بنا کر پاکستان کے خلاف مستقبل میں کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۳:- قائداعظم محمد علی جناح نے سر ظفر اللہ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ کیوں بنایا تھا؟

جواب:- اس کے جواب میں ہم اتنا عرض کریں گے کہ ''پاکستان کی پہلی کابینہ'' اور ''پاکستان کیوں ٹوٹا؟'' نامی دو کتابوں کو ملاحظہ فرمالیں، جن سے معلوم ہوگا کہ قائداعظم نے نامساعد حالات اور بعض مجبوریوں کے تحت جنرل سر ڈگلس گریس کو آزاد، خودمختار ریاستِ پاکستان کی فوج کا ''کمانڈر انچیف''، سردار جوگندر ناتھ مینڈل کو ''وزیر قانون'' اور ظفر اللہ خان کو ''وزیر خارجہ'' لینے کا فیصلہ بادلِ ناخواستہ قبول کیا۔

انگریز وائسرائے کے دباؤ کے تحت یہ فیصلے تسلیم کیے گئے۔ ان تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز وائسرائے نے ظفراللہ خان کی تقرری پر بہت اصرار کیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ جب تک یہ اعلان نہیں کیا جاتا، اختیارات کی منتقلی نہیں ہوسکے گی۔ (پاکستان کی پہلی کابینہ، بحوالہ قادیانیت کا سیاسی تجزیہ، ص:۴۷۵)

زیرِنظر واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ ظفراللہ خان قائداعظم کی کتنی بات مانتا تھا:

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے ''عدم تعاون'' اور ترکِ موالات کے سلسلے میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ ''اعزازات'' و ''خطابات'' واپس کردیں تو صرف چوہدری ظفراللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ ''سر'' کا خطاب واپس کرنے سے صاف صاف انکار کردیا تھا۔ (ماہنامہ ''صوت الاسلام'' ص:۳، فیصل آباد، مدیر مولانا مجاہد الحسینی، بحوالہ نوائے وقت لاہور)

اور یہی ظفراللہ خان تھا جس نے قائداعظم کی نمازِ جنازہ یہ کہہ کرنہیں پڑھی تھی کہ:

''آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا کافر نوکر۔''

(زمیندار، لاہور، ۸فروری ۱۹۵۰ء)

گویا وہ صرف اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہا تھا اور بشمول قائداعظم ہم سب کو کافر کہہ رہا تھا اور اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ظفراللہ کے ہاں قائداعظم اور پاکستان کی کیا حیثیت تھی؟!

محترم جناب! اب ذرا اس کی وزارتِ خارجہ کی کارکردگی بھی ملاحظہ فرمالیں کہ:

اپنے دورِ وزارت میں زیادہ وقت بیرون ملک گزارا، چوہدری صاحب پارلیمنٹ میں آنے سے کتراتے رہے۔ وزارتِ خارجہ سے محبِّ وطن افراد کو نکال کر مخصوص قادیانیوں کو وسیع پیمانے پر بھرتی کیا گیا۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستان کے نکتۂ نظر کی بجائے جماعت احمدیہ کی پالیسی کے مطابق وضع کی گئی۔ غیرممالک میں ہمارے خارجہ دفاتر کو قادیانیت کی تبلیغ اور جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کیا گیا۔ اسلامی ملکوں سے روابط اور تعلقات بڑھانے کی بجائے یورپی ممالک خصوصاً امریکہ و برطانیہ سے تعلقات بڑھائے گئے۔ عرب ممالک سے رشتۂ اُخوت مستحکم کرنے کے بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کرنے اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی اور عربوں کی جاسوسی کے لیے مختلف ممالک میں قادیانی سیل قائم کیے گئے۔ اسلامی ہمسایہ برادر ملک افغانستان، مصر سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کیے گئے، جن کا خمیازہ آج تک بھگتا جارہا ہے۔ پاکستان کے جغرافیائی محلِ وقوع اور وطنِ عزیز کے دفاعی نکتۂ نظر سے ہمسایہ ملک چین کی بجائے امریکہ جیسے خودغرض ملک کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائی گئیں۔ مسئلہ کشمیر حل کرنے کی بجائے دیدہ ودانستہ طور پر خراب کیا گیا اور اس مسئلے کا کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا گیا۔

چوہدری ظفر اللہ خان پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے تنخواہ قومی خزانے سے وصول کرتے تھے، لیکن اندرون و بیرون ملک وہ جماعتِ احمدیہ کے لیے کام کرتے تھے۔

چوہدری ظفر اللہ خان کے دور میں ناقص پالیسی کے باعث ہمیں سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی طور پر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا، چونکہ احمدیہ جماعت برطانیہ کی خودکاشتہ اور امریکہ کی لے پالک تھی، اس لیے اس نے پاکستان کو یورپی ممالک کا دست نگر اور امریکہ کا اقتصادی بھکاری بنادیا۔ یہ تمام باتیں ہم یوں ہی ہوا میں تیر نہیں پھینک رہے، بلکہ اس کی تائید اس وقت کی قانون ساز اسمبلی کے اراکین کی تقاریر سے ہوتی ہے، آپ وہ اُٹھا کر پڑھیں تو آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ ان اراکین اسمبلی میں سے ایک رکن جناب محمد ہاشم گزدر نے کراچی کی مسلم پارٹیز کنونشن مورخہ ۲ر جون میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''چوہدری ظفر اللہ خان کشمیر کا مسئلہ پیش کرنے کے لیے لیک سیکس گئے تھے۔ میں ان دنوں وہاں موجود تھا، وہاں لابی میں مشہور تھا کہ سر ظفر اللہ خان وہی کام کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان چاہتا ہے۔ میں نے اسی روز تمام احوال سے حکومتِ پاکستان کے منسٹر کو مطلع کردیا۔ اس کے بعد میں نے تمام ممالک کا دورہ کیا اور محسوس کیا کہ اکثر ممالک میں ہمارے خارجہ دفاتر مرزائیت کی تبلیغ کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: چوہدری ظفر اللہ خان کے انگریزوں اور ہندوؤں سے گہرے مراسم ہیں۔ ظفر اللہ خان قادیانی' پاکستان سے زیادہ اپنے امام مرزا بشیر الدین کے وفادار ہیں اور اپنے امام کی ہدایت کے مقابلہ میں حکومتِ پاکستان کے احکام کو ٹھکرادیتے ہیں۔ (تقریر کرتے ہوئے کہا) میرے کئی دوست محض دنیاوی فوائد کے لیے مجبوراً قادیانی ہوگئے۔ پاکستان میں جو شخص اکھنڈ بھارت کے نعرے لگاتا ہے، وہ پاکستان کا دشمن ہے اور ہماری بدقسمتی ہے کہ اکھنڈ بھارت ہندوستان کا عقیدہ رکھنے والے مرزائی' ملک کی ستر فیصد کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت جنگ ہوگئی تو معلوم نہیں کہ ہمارا کیا حال ہوگا اور آفیسران کی پوزیشن کیا ہوگی؟!۔'' (ہفت روزہ ''لولاک''، فیصل آباد، ص:۱۲، ج:۲۴، ش:۱۱/۱۰، ۱۹ر جون ۱۹۸۷ء)

سوال:۴:- ظفر اللہ خان دنیا کے پہلے وزیر خارجہ تھے جنہوں نے اقوام متحدہ میں فلسطین کا ایشو اٹھایا تھا۔

جواب:- آپ نے لکھا کہ دنیا کے پہلے وزیر خارجہ تھے، جنہوں نے اقوامِ متحدہ میں فلسطین کا ایشو اُٹھایا، اس جواب سے پہلے اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ: ہر قادیانی کے نزدیک حکومت، عہدہ، منصب ہو یا ملازمت سب سے مقدم اپنے خلیفہ کی بات ماننا ہے۔ اگر حکومتی اُمور یا فرائض منصبی میں سے کوئی کام کرنا ہے تو وہ خلیفہ کی منظوری سے مشروط ہوگا۔ گویا وزیراعظم، صدر یا حکام بالا میں سے کسی نے آئینی امور یا انتظامی امور میں سے کوئی آرڈر یا حکم دیا ہے تو خلیفہ کی اجازت یا رضامندی ہوگی تو وہ روبعمل ہوگا، ورنہ جیسا خلیفہ چاہے گا، وہی ہوگا۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو: الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء جس میں مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

’’ملکی سیاست میں خلیفۂ وقت سے بہتر اور کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔‘‘

اس بات کی تائید کہ ہر قادیانی کے لیے اپنے خلیفہ کا حکم ماننا سب سے مقدم ہے، علامہ اقبالؒ نے کہا:

’’بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقہ کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں، چنانچہ احمدی وکلاء میں ایک صاحب نے جو میر پور کے مقدمات کی پیروی کررہے تھے، حال ہی میں اپنے ایک بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کردیا۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ: وہ کسی کشمیر کو نہیں مانتے، جو کچھ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کیا، وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی۔‘‘

(رئیس احمد جعفری، ’’اقبال اور سیاست ملی‘‘ صفحہ: ۱۵۹-۱۶۰)

اور اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ: ’’جب عرب نمائندے فلسطین کا مسئلہ یو-این-او میں پیش کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے یو-این-او میں اپنی قرارداد کے حق میں فضا سازگار کرنے کے لیے دوست ملکوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں اور اپنی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ چوہدری ظفر اللہ خان سے بھی ملے اور ان سے تعاون کی التجا کی۔ ظفر اللہ خان نے انہیں کہا کہ: ’’اگر ان کے امام جماعت اور مرزا بشیر الدین محمود خلیفۂ ربوہ اُنہیں اس بات کی ہدایت کریں گے تو وہ ان کی ضرور مدد کریں گے، اس لیے آپ لوگ مجھے کچھ کہنے کے بجائے ربوہ میں ہمارے خلیفہ صاحب سے رابطہ قائم کریں۔‘‘ بے چارے عرب نمائندوں نے کسی نہ کسی طرح مرزا محمود سے رابطہ قائم کیا اور ان سے امداد کی درخواست کی۔ مرزا صاحب نے عرب نمائندوں کو یہاں سے تار دیا کہ ہم نے چوہدری ظفر اللہ خان کو ہدایت کردی ہے کہ وہ یو-این-او میں تمہاری امداد کرے۔ اتفاق سے یہ تار خطیبِ پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے ہاتھ آ گیا، انہوں نے لیاقت علی خان مرحوم سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ مملکتِ پاکستان کے سربراہ آپ ہیں یا مرزا محمود؟ اور انہیں تار اور سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ لیاقت علی مرحوم نے قاضی صاحب مرحوم سے وہ تار اور چند دوسری چیزیں لے لیں اور ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد لیاقت علی خان مرحوم شہید ہوگئے اور ظفر اللہ خان علیحدہ نہ کیے جاسکے۔‘‘ (ہفت روزہ ’’لولاک‘‘ لائل پور، ۷ اپریل ۱۹۷۱ء، جلد نمبر: ۱۲، شمارہ نمبر ۲)

عرب ڈیلی گیشن نے امریکہ سے جماعتِ احمدیہ کے سربراہ کے نام جو تار اِرسال کیا، وہ قادیانیوں کے آرگن رسالہ میں ان الفاظ میں شائع ہوا:

’’لیک سیکس ۶ ؍نومبر عرب ڈیلی گیشن نے امریکہ سے بذریعہ تار حضرت امام جماعتِ احمدیہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے ڈیلی گیشن چوہدری ظفر اللہ خان کو مسئلہ فلسطین کے تصفیہ تک یہیں ٹھہرنے کی اجازت دی۔‘‘

(الفضل، ۸؍نومبر ۱۹۴۷ء)

عرب ڈیلی گیشن کا جو تار انجمن احمدیہ لاہور کے دفتر میں موصول ہوا، اس میں لکھتا ہے:

’’اس سے ہمیں بے حد اطمینان ہوا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس سے عربوں کے مطالبہ کو بے حد تقویت حاصل ہوگی۔‘‘

سر ظفر اللہ خان کے اس بھیانک کردار اور قادیانی جماعت کے اثر ونفوذ پر حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے مرزا غلام نبی جانباز لکھتے ہیں:

’’یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر چوہدری سر ظفر اللہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے لیک سیکس گئے تھے تو پھر عرب ڈیلی گیشن کا تار حکومتِ پاکستان کے نام آنا چاہیے تھا، نہ کہ مرزا بشیر الدین محمود کے نام۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ چوہدری ظفر اللہ نے عرب ڈیلی گیشن کو یقین دلایا تھا کہ میں تو اپنے لیڈر مرزا بشیر الدین محمود کے حکم سے یہاں آیا ہوں، نیز اسی کے حکم سے یہاں مزید دنوں کے لیے ٹھہر سکتا ہوں۔ ورنہ عرب ڈیلی گیشن کو پاکستانی گورنمنٹ سے اجازت لینی چاہیے تھی، نہ کہ قادیانی خلیفہ سے۔‘‘ (تحریک ختم نبوت)

سوال: ۵: -وہ پہلے ایشیائی اور واحد پاکستانی تھے جنہوں نے اقوامِ متحدہ میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کی اور عالمی عدالت انصاف کے صدر بنے۔

جواب: -ظاہر ہے جس نے ساری زندگی انگریز کی چاکری اور ان کے لیے مسلمانوں کی مخبری کی ہو تو اس کا حق تو بنتا ہے کہ اُسے نمائشی طور پر اقوام متحدہ میں جنرل اسمبلی کی صدارت اور عالمی عدالتِ انصاف کی صدارت ملے، جیسے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، ملعونہ تسلیمہ نسرین، سلمان رشدی اور ملالہ یوسف زئی، یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تو اُنہیں اعزازات اور مناصب سے نوازا گیا۔

اسی طرح اب اسلام سے مرتد ہو کر قادیانیت قبول کرنے والا، جسے آپ معاشیات کا ماہر، پاکستان کو بلاتنخواہ اپنی خدمات پیش کرنے والا ہیرو بنا کر پیش کر رہے ہیں، یہ بھی ’’اکنامک ایڈوائزری ٹیم‘‘ میں شامل ہوتا تو ایک طرف آئی ایم ایف کا کام آسان ہو جاتا، دوسری طرف پاکستان کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے کے صلہ میں اُسے بھی نوبل انعام سے نوازا جاتا، جیسا کہ وفاقی وزیر اطلاعات پیش

گوئی کررہے ہیں۔ آپ نے بھی لکھا کہ: ’’اسے نوبل انعام مل جاتا، لیکن پاکستانی ہونا انعام دینے والوں کے سامنے آڑے آ گیا۔‘‘

محترم! عاطف میاں قادیانی مرتد کا پاکستانی ہونا ان کے سامنے آڑے نہیں آیا، بلکہ ایک کام تو اس نے کردیا کہ اسلام سے مرتد ہوکر قادیانیت قبول کی، یہ اسلام اور مسلمانوں کا بظاہر نقصان کیا، لیکن اس نے ابھی تک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف کام کرکے (غداری کی) کوئی کارکردگی نہیں دکھائی تھی، اس کے لیے اسے اس کونسل میں گھسانا تھا اور اس سے پاکستان کے خلاف کام لینا تھا۔ جب پاکستانیوں نے اسے قبول نہیں کیا تو وجدان یہ کہتا ہے کہ اب اُسے نوبل انعام بھی نہیں ملے گا، کیونکہ وہ (اسلام، مسلمانوں یا ان کے ملک کے خلاف) کسی کارکردگی کے ساتھ مشروط ہے اور وہ اب رہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا منصوبہ ناکام ہوا تو عاصم اعجاز خواجہ اور عمران رسول نے بھی استعفیٰ دیا، جو ایک پلان اور منصوبہ کے تحت یہاں بھیجے جارہے تھے۔

سوال:۶:- عاطف میاں کے خلاف وہ لوگ تحریک چلارہے ہیں جو ۱۹۴۷ء تک پاکستان کے وجود کے خلاف تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟!

جواب:- عزیز من! پہلی بات تو یہ ہے کہ عاطف میاں کے خلاف تحریک کسی ایک طبقے، مسلک اور ایک گروہ نے نہیں چلائی، بلکہ چند مٹھی بھر قادیانی ٹولے کے ہمنوا سیکولر ذہن رکھنے والوں کے علاوہ پوری پاکستانی قوم نے چلائی۔ اور یقینی بات ہے کہ اس میں ہر مسلک، سوسائٹی اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے افراد تھے، لیکن آپ نے جو دوسرا طنز مجلسِ احرار اسلام کے سربراہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ اور مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی ذات پر کیا ہے، یہ آپ جیسے صحافی کے شایانِ شان نہیں۔ اگر صحافت اسی کا نام ہے کہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کہا جائے تب تو ٹھیک ہے اور اگر صحافت اس کا نام نہیں اور یقیناً اس کا نام نہیں تو پھر سچ کو چھپایا نہ جائے، بلکہ سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا واضح اور ظاہر کیا جائے۔ اب سنیے!

کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں یا یہ کام اس طرح ہو اور اس طرح نہ ہو، اس میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں اور رائے کا اختلاف کوئی بری چیز نہیں، لیکن جب ایک کام ہوجائے تو پھر یہ کہنا کہ یہ کام کیوں ہوا؟ یا یہ کہنا کہ ہم کوشش کریں گے کہ یہ کام ختم ہوجائے، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان راہنماؤں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی، لیکن یہ ان کی سیاسی رائے تھی اور انہوں نے قیام پاکستان کے بعد نہ صرف پاکستان کی حقیقت کو ذہنی وقلبی طور پر تسلیم کیا، بلکہ پاکستان کے استحکام، اس کی سالمیت وبقا اور دفاع کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردیں۔

مسلمان راہنماؤں نے قیام پاکستان کی مخالفت سیاسی نقطۂ نظر سے کی، جب کہ آپ کی ممدوح قادیانی جماعت نے پاکستان کے قیام کی مخالفت بانی جماعت احمدیہ کے الہامی عقیدہ پر کی، جیسا کہ قادیانیوں کے خلیفہ مرزا محمود نے کہا:

۱:-''میں (خلیفہ محمود) قبل ازیں بتاچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے، لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے..... یہ اور بات ہے۔ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائیں۔'' (الفضل: ۱۷مئی ۱۹۴۷ء)

دوسرا حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں، مرزا بشیرالدین محمود کہتا ہے کہ:

۲:-''بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر وشکر ہوکر رہیں۔'' (روزنامہ الفضل، ۱۵/اپریل ۱۹۴۷ء)

جب کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہٗ نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو، میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کردو...... بہرحال قوم نے فیصلہ کردیا اور جس دیانت داری سے ہم نے اختلاف کیا تھا، اسی دیانت داری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کرلیا۔ اب یہ ملک میرا ہے، میں اس کا وفادار شہری ہوں، جنہوں نے جانا تھا جاچکے ہیں، میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہوگا۔'' (روزنامہ آزاد، ۱۴نومبر ۱۹۴۹ء)

پھر حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے احرار رضاکاروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''احرار رضاکارو! آج کے بعد تم احرار رضاکار نہیں رہے، جاؤ! قومی رضاکاروں کی نیشنل گارڈز میں بھرتی ہوجاؤ۔ اب گلی کوچوں میں چپ وراست کا وقت نہیں رہا، فوجی ٹریننگ حاصل کرکے ملک وملت پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ مجلس احرار اسلام کا سرمایہ تم ہو، میری ساری عمر کی کمائی تم ہو، میں تمہیں قوم کے سپرد کرتا ہوں اور خوش ہوں کہ ہماری عمر بھر کی کمائی صحیح کام آئی...فوجی وردی میں ملبوس ہوکر رائفل پکڑو اور دین وملت کی پاسبانی کے لیے جان قربان کرنے کی تربیت حاصل کرو۔'' (روزنامہ آزاد، لاہور، ۲۸/نومبر ۱۹۴۹ء)

اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے جب ان کے ایک مرید نے خط لکھ کر پوچھا کہ: ''حضرت! ہم تو پاکستان میں ہیں اور آپ ہندوستان میں ہیں۔ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''جب تک مسجد وجود میں نہیں آتی تو اختلاف ہوتا ہے کہ یہاں بنے یا وہاں، لیکن مسجد جب ایک بار بن جائے تو پھر اس کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔''

یہ تھا ہمارے اکابر اور بزرگوں کا اخلاص، پاکستان کو مسجد جیسا تقدس دے رہے ہیں اور پاکستان کے استحکام، سالمیت و بقا اور دفاع کے لیے اپنے رضا کاروں کو جانیں قربان کرنے کے لیے تربیت کا کہہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے رضا کار آج تک پاکستان کے استحکام، سالمیت و بقا اور دفاع پر لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے پاکستان کو کمزور کرنے اور اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھنے والی قادیانی جماعت کے سربراہوں اور ان کے افراد کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ وہ پاکستان کو کمزور کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ سربکف رضا کاران کی تمام چالوں اور حیلہ سازیوں کو وقت سے پہلے بیچ چوراہے طشت از بام کردیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عاطف مرتد قادیانی کو اکنامک ایڈوائزری سے نکالنے کے بعد اس جماعت اور ان کے ہمنواؤں کی چیخیں نکل رہی ہیں۔

سوال:۷:- آپ فرماتے ہیں: ''ہمیں مذہب کو پرائیویٹ اسٹیٹس دینا ہوگا۔''

جواب:- جناب من! بات مذہب کی نہیں، نہ ہی ان قادیانیوں کے ساتھ جھگڑا صرف مذہب کا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ جب قادیانی اُمت کا مذہبی محاسبہ کیا جائے تو وہ سیاسی پناہ تلاش کرتے ہیں اور جب ان کا سیاسی محاسبہ کیا جائے تو وہ مذہبی اقلیت ہونے کا تحفظ چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ مذاق نا روا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قادیانی ہمیشہ یہ تأثر دیتے چلے آرہے ہیں کہ انہیں ملا قسم کے لوگ مذہب کے واسطے مارنا چاہتے ہیں، اور ان کی جان، مال اور آبرو کے دشمن ہیں، اس تأثر کے عام ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ پاکستان میں جو لوگ ان کا محاسبہ کررہے ہیں اور ان کے خطرناک عزائم سے پردہ چاک کرتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نہ تو یورپ اور مغربی دنیا کی زبان سے واقف ہیں اور نہ ان کے پاس ظفر اللہ، ڈاکٹر عبدالسلام، ایم ایم احمد اور عاطف میاں مرتد قادیانی جیسے شاطر، عیار اور استعمار کے ایجنٹ موجود ہیں۔

پاکستان میں مسلمانوں کی عمومی حالت یہ ہے کہ جب تک کوئی خطرہ ان کے سر پر آکر مسلط نہ ہوجائے، وہ اس کا نوٹس نہیں لیتے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، جس کا ذکر شورش کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت، ص:۱۹۳ پر کیا ہے کہ: ''میں ڈکٹیٹر بن جاؤں تو سب سے پہلے مغرب زدہ طبقے کو ہلاک کردوں۔ ابھی تک اس نے نہ قادیانی مذہب کو سمجھنے کی ضرورت محسوس کی ہے اور نہ وہ قادیانیوں کی سیاسی مضرتوں سے آگاہ ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ ایک چھوٹی سی اقلیت کو مسلمانوں کے کٹ ملا تنگ کررہے ہیں۔ ان مغرب زدہ اور سیکولر ذہنیت کے لوگوں سے بجا طور پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان

ایک وحدت کا نام ہے اور یہ وحدت ختم نبوت کے تصور سے استوار ہوئی ہے۔ اگر کوئی اس وحدت کو توڑتا ہے اور ختم نبوت کی مرکزیت کو ظلی و بروزی کی آڑ میں اپنی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا وجود خطرناک نہیں؟ باغی کون، وہ یا محاسب؟ کیا اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت کرنا جرم ہے یا مذہبی جارحیت؟ بعض لوگ رواداری کا سبق دیتے ہیں، لیکن وہ رواداری کے معنی نہیں جانتے۔ اگر رواداری کے معنی غیرت، حمیت، عقیدے، مسلک اور اپنے شخصی یا اجتماعی وجود سے دستبردار ہونے کے ہیں تو یہ معانی کہاں ہیں؟ اور کس تحریک کے داعی، پیغمبر اور نظام نے بتلائے ہیں؟ قادیانیوں کے باب میں مسلمانوں کا معاملہ ذاتی نہیں، اجتماعی ہے اور اس کے عناصرِ اربعہ میں غیرت وحمیت، عقیدہ ومسلک شامل ہیں۔‘‘

سوال:۸:- ہمیں اس ملک میں رہنے والے تمام شہریوں کو مذہب، رنگ، نسل اور قبیلے سے بالاتر ہوکر برابری کے حقوق دینا ہوں گے۔ اگر رانا بھگوان داس اور جسٹس کارنیلئس سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بن سکتے ہیں تو پھر یہ ملک کے صدر کیوں نہیں بن سکتے؟

جواب:- الحمد للہ! اس ملک میں رہنے والے چاہے وہ اکثریت میں ہیں یا اقلیت میں، سب کو آئین نے جو حقوق دیئے ہیں، وہ حقوق برابری کے ہیں اور تمام اقلیتیں وہ حقوق لے رہی ہیں، تکلیف صرف ان کو ہے جو آئین کے باغی اور اپنے آپ کو اقلیت کہلوانے کے روادار نہیں۔

سوال:۹:- اگر عاطف میاں پاکستانی شہری ہیں تو یہ پھر اکنامک ایڈوائزری کونسل کے رکن کیوں نہیں بن سکتے؟

جواب:- عاطف میاں کا معاملہ اب تو کھل کر آ گیا ہے کہ آئی ایم ایف کی ۲۵ رکنی ٹیم میں ان کا نام بھی شامل ہے اور آئی ایم ایف یہودیوں کے کنٹرول میں ادارہ ہے اور وہ پاکستان کو اقتصادی طور پر دبوچنے اور مفلوج کرنے کے درپے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مقتدر حلقوں نے حکومت کو اس عاطف میاں کے نام شامل کرنے سے پہلے باخبر کیا تھا، جیسا کہ اخبارات میں آ چکا ہے۔

سوال:۱۰:- اور پارسی اگر ملک کی تجارتی پالیسیوں کے آرکی ٹیکٹ ہو سکتے ہیں تو پھر یہ لوگ وزیر کیوں نہیں بن سکتے؟ یہ لوگ ملک کی خدمت کیوں نہیں کر سکتے؟

جواب:- پارسیوں کو وزیر بننے سے کسی نے کبھی منع نہیں کیا، اگر وہ اپنے کوٹے میں وزیر بن سکتے ہیں اور آئین میں اس کی گنجائش ہے تو ضرور بنیں، کس نے ان کو منع کیا ہے؟! اتنی بات ضرور کہنا چاہیں گے کہ بات اگر قادیانیوں کے آئین کے دائرہ میں رہنے کی کی جاتی ہے تو وہ واویلا کرتے ہیں اور ان اقلیتوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر بات مذہبی اعتبار سے کی جائے کہ تم ایک نئے نبی کی اُمت ہو، مسلمانوں سے الگ رہو تو وہ مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ گھستے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ اصلی مسلمان

ہم ہیں اور تم کافر ہو۔ آیئے! چند قادیانی حوالہ جات اور ان کے نتائج پر پہلے نظر ڈالتے ہیں:

ا:......''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے، اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔'' (انوار خلافت، ص:۹۰)

۲:......''پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔'' (مرزا بشیر احمد پسر مرزا قادیانی، کلمۃ الفصل، ص:۱۵۸)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے کیا قادیانیوں کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی آئینی حیثیت نہ مان کر قانون شکنی کے مرتکب ہونے کے باوجود مسلمانوں کے سروں پر مسلط رہیں؟! مسیحی حضرات، ہندو، سکھ کرم فرما حضرات کا مسلمانوں سے یہ تنازعہ نہیں کہ مسیحی، ہندو، سکھ ہونے کے باوجود خود کو مسلمان کلیم کر کے مسلمانوں کے درپے آزار یا قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں۔ مگر قادیانیوں کے طرزِ عمل نے یہ صورت حال پیدا کر دی ہے کہ جس سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ان کا تدارک صرف اور صرف یہ ہے کہ ان کو قانون کا پابند کیا جائے۔ پاکستان میں واحد قادیانی جماعت ہے جس نے اپنی عدالتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اپنے فیصلے، ان کی اپیل، پھر ان پر اپیل در اپیل کا پورا عدالتی سسٹم قائم کر رکھا ہے۔ اپنے اسٹام شائع کرتے ہیں، اپنے سمن جاری کرتے ہیں، ان کی عدالتوں میں باقاعدہ وکیل پیش ہوتے ہیں، پیشیاں پڑتی ہیں، فیصلے ہوتے ہیں۔ اگر ملک میں کسی اور جماعت یا ادارہ نے یہ سسٹم جاری کیا ہوتا تو طوفان کھڑا ہو جاتا کہ سٹیٹ کے اندر سٹیٹ کا سسٹم ناقابلِ برداشت ہے۔ مرتکب کو قانون کا پابند بنایا جاتا بلکہ دیدۂ عبرت بھی، مگر قادیانی ایک ایسی الببلی اقلیت ہے کہ ان کی اس حرکت پر کوئی ملکی ادارہ قانون کی رٹ قائم کرنے، قانون کی حکمرانی کی بات نہیں کرتا۔ ہمارے جیسے چند لوگ اس آواز کو اُٹھائیں تو ہمارے نامور صحافی فرماتے ہیں کہ کیا قادیانیوں کو جینے کا حق نہیں؟ ان بندگانِ خدا سے کوئی پوچھے کہ کوئی مطالبہ کرے کہ چوری کو روکو، ڈاکہ کو روکو، دوسرا ستائش باہمی کا ممبر کھڑا ہو جائے کہ چوروں کو، ڈاکوؤں کو زندہ رہنے کا حق نہیں؟

جناب! زندہ رہنے کا حق تو چور کو حاصل ہے، مگر چوری اور ڈاکے کا لائسنس تو جاری نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو قانون کا پابند بنایا جائے۔ کیا دنیا میں انصاف نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ ہمارے معزز صحافی قادیانیوں کی حمایت میں گویا ایک قانون شکن جماعت کی حوصلہ افزائی کے درپے ہو جاتے ہیں۔

سوال:۱۱:- رسول اللہ ﷺ نے اگر عبداللہ بن ابی کو منافق اعظم ڈکلیئر ہونے کے باوجود

ریاستِ مدینہ سے بے دخل نہیں کیا تھا تو پھر ہم اس ملک میں غیرمسلموں کو کام سے روکنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہمیں اپنے دل، سوچ اور ظرف تینوں بڑے کرنا ہوں گے، ورنہ آج ہم جب اسلام کے نام پر ان لوگوں کو نکال رہے ہیں تو کل کوئی ہم سے بڑا مسلمان ہمیں بھی اس ملک سے نکال دے گا۔‘‘

جواب:- رہی غیرمسلم کے صدر بننے کی بات تو اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور وہ نظریہ اسلام ہے، یہاں کی اکثریتی آبادی مسلمان ہے اور ہمارے آئین میں ہے کہ خدادادمملکت کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کا صدر اور وزیراعظم مسلمان ہوگا، تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اگر اس پر اعتراض ہے تو بتائیں اسرائیل کا صدر یا وزیراعظم مسلمان ہوسکتا ہے؟ اگر وہاں نہیں بن سکتا اور ان کے صدر یا وزیراعظم کے یہودی ہونے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں تو یہاں کیوں اعتراض ہے؟

سوال:۱۲:- اختلاف دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ تعصب، بغض اور عناد کے زیراثر۔

جواب:- یہ بات ٹھیک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن اُبی منافق کو مدینہ کی ریاست سے بے دخل نہیں کیا تھا، لیکن ان کو ریاست کے کسی اہم منصب پر فائز بھی نہیں کیا تھا۔ اور جب وہ حضور اکرم ﷺ کے مقابل آگئے اور مدینہ کی ریاست کو چیلنج کرنے کے لیے مسجد ضرار تعمیر کرلی تو آپ ﷺ نے اس کو جلانے کا حکم دیا۔ الحمد للہ! پاکستانی مسلمانوں نے کسی غیرمسلم کو کام سے نہیں روکا۔ تمام اقلیتیں خوش ہیں۔ اگر عاطف میاں مرتد اور قادیانی کو منع کیا ہے تو وہ اس لیے کہ بارہا کے تجربوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ طبقہ پاکستان، اور پاکستانی قوم کے لیے مشکلات کھڑی کرتا ہے۔ مغربی دنیا کے لیے جاسوسی کا کام کرتا ہے، اس لیے حکومت، ریاست اور مملکت کے ذمہ داران حضرات ان سے اجتناب کریں اور ہوشیار رہیں۔ اگر مذہبی جماعتوں اور پاکستانی قوم نے جب ملک کی سالمیت، استحکام، اور حفاظتی نکتۂ نظر سے یہ بات کی ہے تو یہ جرم اُنہیں قبول ہے اور اس کی جو سزا ہے، وہ بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔

جناب محمد بلال غوری صاحب سے یہ کہنا چاہیں گے کہ الحمد للہ! قادیانیوں سے ہمارا اختلاف دلیل کی بنیاد پر ہی ہے، کسی تعصب، عناد یا بغض کی بنا پر نہیں۔ اور اگر عاطف میاں مرتد قادیانی سے اختلاف کیا ہے تو یہ بھی دلیل کی بنیاد پر ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں: جو آدمی کلمۂ اسلام اور مسلمانوں کو چھوڑ کر قادیانیت قبول کرسکتا ہے، تو کیا وہ اپنے یا اپنی جماعت اور جن کے یہ ایجنٹ ہیں، ان کی خوشنودی کے لیے آپ کے ملک کو داؤ پر نہیں لگا سکتا؟ جب کہ اس کے خیالات یہ ہوں، وہ کہتا ہے:

۱:- پاکستان کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان کا جوہری صلاحیت کا حامل ہونا ایک جوہری تعیُّش ہے۔ ۲:- پاکستان کی فوج میں تخفیف اور فوجی اخراجات میں کمی کی جائے۔ ۳:- پاکستان کشمیر کو ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔

اگر عاطف میاں کی یہ باتیں تسلیم کر لی جائیں تو پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ۔ کیا یہ باتیں کسی محبّ وطن کی ہوسکتی ہیں؟ اور اگر ایسے لوگوں کو حکومت میں گھسنے کا موقع دے دیا جائے تو کیا وہ اپنے ایجنڈے پر عمل نہیں کریں گے؟

سوال:۱۳:- آپ نے پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کر کے اُنہیں غیر مسلم قرار دے دیا تو کیا اب اُنہیں اقلیت کے طور پر پاکستان میں جینے کا بھی کوئی حق نہیں؟ اس دلیل کے جواب میں یہ تاویل پیش کی جاتی ہے کہ ان کا معاملہ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر کافروں سے مختلف ہے۔ یہ پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو نہیں مانتے، جس کی رو سے انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا، یہ ریاست کے باغی ہیں، لہٰذا کسی رعایت کے مستحق نہیں۔

جواب:- محترم! قادیانیوں کو پاکستان میں جینے اور رہنے سے کسی نے منع نہیں کیا، کیا آپ نہیں جانتے کہ چناب نگر جہاں قادیانیوں نے ریاست کے اندر ایک ریاست بنائی ہوئی ہے، وہ پاکستان میں ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور شہروں میں جاسوسی کے لیے اپنے خفیہ ٹھکانے بنا کر جاگزیں ہیں پورے ملک میں۔

ہاں! جیسا کہ آپ نے خود لکھا کہ: ''یہ لوگ آئین کو نہیں مانتے، اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت نہیں مانتے۔'' ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب! جب یہ آئین کو نہیں مانتے تو اس ملک کے کسی کلیدی عہدے کے بھی مجاز نہیں۔

باقی آپ نے آئین سے غداری کو عدالتوں کے فیصلوں کے اختلاف پر منطبق کیا، یہ تطبیق درست نہیں، اس لیے کہ عدالتی فیصلے پر جائز تنقید کی قانون اجازت دیتا ہے۔ ہاں! کوئی عدالت کی توہین کرے تو اس پر توہین عدالت کا کیس ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص آئین پاکستان کو نہیں مانتا تو وہ باغی ہے اور اس پر بغاوت کا کیس ہوگا۔ فیصلے سے اختلاف کو ہر عدالت، معاشرہ اور ملک تسلیم کرتا ہے، لیکن بغاوت اور قانون شکنی کو کوئی عدالت، ملک یا معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ باقی آپ کا یہ فرق کرنا کہ جو ریاست کے خلاف جب تک ہتھیار نہ اُٹھائے، وہ قابلِ برداشت ہے، یہ آپ کی منطق ہے، کوئی عدالت، ملک یا قانون اس کو قبول نہیں کرتا۔ آیئے! ہم آپ کو یہ بھی بتادیں کہ پاکستان کے آئین کے بارہ میں قادیانیوں کے کیا خیالات ہیں؟ اس کے لیے قادیانیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد کا یہ ایک کلپ سن لیں، یہ کلپ یوٹیوب پر موجود ہے، وہ کہتا ہے:

''اگر یہ آئین جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، یہ اسی طرح رہنے دیا گیا اور کوئی اور تبدیلی کا دور ایسا نہ آیا کہ اس آئین کو اُٹھا کر ایک طرف پھینک دے تو یہ آئین ملک کو برباد کرے گا اور اگر یہ

آئین توڑا گیا تو بہتر ہے، ورنہ یہ آئین ملک کو توڑ دے گا۔ اس لیے آخری خیرسگالی اور بھلائی ملک کی ہے، یہ بات ایسی ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ آئین رہے گا، ورنہ اس آئین کو ملک توڑنے کی کھلی چھوٹ دے دی جائے گی۔ یہ کیسے اور کب ہوگا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ میرا یہ اندازہ تھا کہ شاید ابھی اربابِ حل وعقد کو اتنی ہوش آچکی ہو کہ وہ دیکھ لیں کہ یہ ملک کے کسی کام نہیں آسکتا۔ یہ ردی کا پرزہ ہے جسے پھاڑ کر پھینک دینا چاہیے۔ اور اس آئین کے ساتھ ظلم کا پھاڑا جانا بھی ضروری تھا، جو جماعت احمدیہ سے وابستہ ہے، اس آئین میں جتنی دفعہ بھی تبدیلی کی کوشش ہوئی ہے، ہر تبدیلی کے وقت انصاف کے تقاضے کو بھلا دیا گیا۔ بنیادی طور پر یہ نہ وہ آئین ہے جس کو قائداعظم چاہتے تھے اور نہ وہ آئین ہے جو انصاف اور تقویٰ کا تقاضا چاہتا ہے اور خصوصاً اس آئین میں بار بار جماعت احمدیہ کے حقوق کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ یہ وجہ ہے جو میں یقین سے کہتا ہوں، اگر جماعتی حقوق کو اسی طرح نظرانداز کرتا رہا یہ قانون اور اس میں مناسب تبدیلیاں نہ لائی گئیں تو پھر یہ قانون خود اس ملک کو چاٹ جائے گا، جس ملک میں ہمارے حقوق چاٹے ہوں۔ اس میں کسی انسانی کوشش کا کوئی دخل نہیں، کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس ملک کے قانون بنانے والوں کا خود اَب آئندہ اس میں امتحان ہے کہ وہ کوئی ناجائز غیرمنصفانہ قانون کو ملک میں ٹھونسے رکھیں گے یا اسے تبدیل کریں گے۔‘‘

جنابِ من! یہ ہیں قادیانیوں کے سربراہ مرزا طاہر کے وہ غلیظ عزائم جن کو پورا کرنا ان کی جماعت کا ہر فرد اپنے لیے مذہبی فریضہ سمجھتا ہے اور اسی تگ ودو میں لگا ہوا ہے۔ کیا اب بھی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قادیانی ملک کے خیرخواہ ہیں؟ اور کسی منصب پر آنے سے وہ اپنے خلیفہ کے مذموم اور ناپاک عزائم کو پورا کرنے کے لیے ملک کے خلاف سازشیں نہیں کریں گے؟

بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق دے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت کرے، اس کو مزید استحکام بخشے، اس کی اقتصادی حالت کو درست فرمادے۔ اور ہمارے حکمرانوں کو ہمیشہ ان آستین کے سانپوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نوٹ:...... درج ذیل مضمون میں جناب صاحبزادہ طارق محمود صاحب کی کتاب ’’قادیانیت کا سیاسی تجزیہ‘‘ اور جناب شورش کاشمیریؒ کی کتاب ’’تحریک ختم نبوت‘‘ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

خوارق ومعجزات اور سائنس!

حضرت مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ
سابق استاذِ حدیث وناظمِ تعلیمات جامعہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ دنیا کے معاملات ہوں یا آخرت کے احوال، اسلام نے سب کی تفصیلات اور زندگی کی ہر مشکل کا قابلِ عمل حل پیش کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے اس کا ہر حکم عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے موافق ہے۔ اگر کسی شخص کو اسلامی عقائد واعمال میں سے کوئی چیز خلافِ عقل نظر آتی ہے تو یہ دراصل اس کی عقل کا قصور ہے۔ عقل بھی تو ایک قوتِ شاعرہ ہی ہے۔ ہر حس وشعور کا دائرۂ عمل محدود ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ (آنکھ) ایک خاص حد تک کام کرتی ہے، اس سے آگے عاجز ہے۔ قوتِ سامعہ (کان) سے بھی ایک مخصوص حد تک استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن اگر متکلم مخاطب سے بعید اور اس کی نگاہ سے اوجھل ہو تو نہ اس کی آواز سنی جاسکتی ہے اور نہ اس کی شکل وصورت دکھائی دیتی ہے۔ اسی بنا پر کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ جو چیز میری نگاہ کے احاطہ میں نہیں ہے، وہ دراصل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح عقل کا دائرۂ ادراک وشعور بھی محدود ہے، ہر چیز کو میزانِ عقل پر وزن نہیں کیا جاسکتا، عقل کی ترازو میں امورِ آخرت، حقیقت وآثارِ نبوت' ذات وصفاتِ الٰہی کی تفصیلات کو نہیں تولا جاسکتا۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص سونا تولنے کی ترازو (کانٹے) میں پہاڑوں کو تولنے لگے، تولنے والے کی حماقت ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح آنکھ میں بصارت کا مادہ اور بینائی کی قوت موجود تو ہے، لیکن وہ تاریکی میں قوتِ باصرہ سے کام لینے کے لیے خارجی روشنی کی محتاج ہے، اسی طرح عقلِ انسانی بھی ماوراء العقل اُمور کے ادراک میں وحیِ الٰہی کی محتاج ہے۔ لہٰذا اگر عقل کے ساتھ وحیِ الٰہی کا لطیف ونور آفریں تعلق باقی رہے تو اسلام کا کوئی حکم خلافِ فطرت اور خلافِ حقیقت نظر نہیں آسکتا، لیکن اگر وحیِ

سماوی اور تعلق مع اللہ کا کنکشن منقطع ہو جائے تو قدم قدم پر انسانی عقل اسی طرح ٹھوکریں کھاتی ہے، جیسے اندھیرے میں بینائی کی قوت، حتیٰ کہ پیشِ پا اُفتادہ حقائق اور بدیہیات بھی اس کے لیے نظریات بن جاتے ہیں، اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے عقل کو علم ومعرفت کے باب میں مختارکل نہیں بنایا، بلکہ وحیِ ربانی کے تابع رکھ کر اس سے استفادہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

موجودہ دور میں ملحدینِ یورپ کی کورانہ تقلید یا جدید تعلیم وتہذیب کے مسموم اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو اسلام کے معتقدات اور مسلمہ حقائق کو خلافِ فطرت کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتا ہے، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس تمسخر واستہزاء کو اپنے لیے سامانِ تفریح اور اپنی مجالس کو اس سے پُر رونق بناتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ لوگ انتہائی وقاحت اور بے شرمی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ چونکہ یہ مسائل ہماری روشن عقل کے خلاف ہیں، اس لیے ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے، ستم ظریفی ملاحظہ ہو:

جنوں کا نام خِرد رکھ لیا خِرد کا جنوں

کاش! ان دشمنانِ عقل و دین سے کوئی دریافت کرے کہ تمہیں پتہ ہے کہ عقل کی حقیقت کیا ہے؟ اہلِ عقل کہلانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور کس نے تمہیں عقلاء کی فہرست میں شامل کیا ہے؟

''برعکس نامِ زنگی نہند کافور'' اسلام کا مذاق اُڑانے والے خداوندانِ مغرب کے نزدیک بے شک اہلِ عقل ہو سکتے ہیں، لیکن قرآن وسنت کی اصطلاح میں ان کا شمار مجانین وسفہاء بلکہ ''أُولٰئِکَ کَالْأَنْعَامِ '' کے زمرہ میں ہوتا ہے، لیکن انہی مدعیانِ عقل ودانش کے سامنے اگر کوئی تاریخی واقعہ پیش کیا جائے تو اس کو تسلیم کرنے میں ان کو کوئی تامل نہیں ہوتا، چاہے وہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو، خصوصاً اگر کسی انگریز مؤرخ یا مستشرق نے اس کو قلمبند کیا ہو تو اس کا درجہ تو اُن کے نزدیک ایمان ویقین کے لحاظ سے وحیِ ربانی سے بھی زائد ہوگا۔ ذیل میں دو تاریخی واقعات درج کیے جاتے ہیں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان مدعیانِ عقل وخِرد کو اُن کے تسلیم کرنے میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن اگر اس قسم کا واقعہ شریعت نے بیان کیا ہوتا تو اس میں ان دشمنانِ عقل ودین کو صدہا کیڑے نظر آتے اور صاف کہہ دیتے کہ خلافِ عقل ہے، ہم نہیں مانتے:

ا:- ''ہنگری میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے، لیکن دونوں کے سرین (پچھلا حصہ) اس طرح ایک کا دوسرے سے جڑا ہوا تھا کہ دونوں کا مخرجِ براز (فضلہ نکلنے کی جگہ) ایک ہی تھی، اسی ایک راستہ سے دونوں قضاء حاجت کرتی تھیں، پیشاب گاہ الگ الگ تھی،

جب ایک کو پیشاب کی حاجت ہوتی تو دوسری منقبض ہوجاتی۔ عمر کے چھٹے سال میں ایک کے اعضاء کسی مرض سے شل ہوگئے، اسی حالت میں وہ عمر بھر پھرتی رہی، لیکن دوسری کے اعضاء صحیح سالم تھے۔ بلوغ کی علامات بیک وقت دونوں میں ظاہر ہوئیں۔ جب بائیس سال کی عمر ہوئی تو ایک کو شدید بخار ہوا اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا، تین گھنٹہ کے بعد دوسری بھی مرگئی اور ساتھ ہی دونوں کو دفن کیا گیا۔''

۲:- ایک چینی لڑکا جس کی عمر بارہ برس کی تھی اپنے سینہ پر دوسرا بچہ اُٹھائے ہوئے تھا، اس دوسرے بچے کا سر اُس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا، باقی دھڑ اس کے سینہ سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا، اس بچہ میں کافی شعور تھا، ذرا سے چھونے سے وہ متاثر ہوتا اور اس سے وہ اُٹھانے والا بھی متاثر ہوتا۔''

اس قسم کے متعدد واقعات انسائیکلو پیڈیا میں موجود ہیں، یہ مدعیانِ عقل وخرد ان کو تو بلا کسی تردد کے تسلیم کرلیتے ہیں، لیکن اگر خرقِ عادت کے طور پر انبیاء ؑ واولیاءؒ سے کوئی اسی قسم کی خلافِ عادت چیز ظہور میں آئے تو اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور نہیں مانتے۔

یہ مرض دراصل وحیِ الٰہی کی عظمت کے شعور سے محروم ہونے اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اگر خلاقِ عالم کی قدرت پر یقین کامل ہو تو تمام ''خوارق'' (معجزات وکرامات) پر ایمان لانے میں کسی قسم کا کوئی مانع پیش نہیں آسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب معراج کا ایمان افروز واقعہ کفار نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، تاکہ ان سے حضور ﷺ کی تکذیب کرائیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں کونسی تعجب کی چیز ہے؟! ''ملأ اعلیٰ'' سے ''وحی'' آنے پر جب میں ایمان لاچکا ہوں تو اس واقعۂ صادقہ کے تسلیم کرنے میں مجھے کیا تامل ہوسکتا ہے؟!

موجودہ پُرفتن دور میں مادہ پرستی اور خدا ورسول کی تعلیمات سے بے گانگی حد سے زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے معجزات وکرامات کو یہ کہہ کر رد کردیا جاتا ہے کہ ''یہ چیزیں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اور انسانی عقل کی رسائی سے باہر ہیں، اس لیے ہم نہیں مانتے۔''

معجزہ کو خلافِ قانونِ قدرت کہنا درحقیقت جہل کی دلیل ہے، ہاں! اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ معجزہ یا کرامت عام قانونِ قدرت کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر معجزہ عام انسانی دسترس سے باہر نہ ہو تو پھر وہ معجزہ ہی نہیں ہوسکتا۔

تاریخ کے اوراق میں بے شمار ایسے خوارق موجود ہیں جن کی صداقت پر کسی کو تردد نہیں ہوتا، اگر ایسے ہی خوارق کسی صاحبِ نبوت وولایت ہستی سے صادر ہوں تو اس میں کیا استحالہ ہے اور ان کے قبول کرنے میں کیوں تامل ہے؟!

فرانس کے مشہور فیلسوف کامل ''فلاریون'' نے اپنی کتاب ''المجهول والمسائل الروحية'' میں لکھا ہے:

''۱:-ایک عورت کا پستان بائیں ران پر تھا، وہ اس سے بچہ کو دودھ پلاتی تھی۔

۲:-جاپان میں تباہ کن زلزلہ آیا تھا جس سے کئی بستیاں تہ و بالا ہوگئیں۔

۳:-ضلع ہردوئی میں ایک بگولا اُٹھا تھا جس سے ایک جھیل کا پانی خشک ہوگیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔''

اس قسم کے خوارق کو کوئی غلط نہیں کہتا، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے یا فارس کے آتش کدہ کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو ان واقعات کے تسلیم کرنے میں پس وپیش ہونے لگتا ہے۔

سائنس کی محیر العقول ایجادات سے قبل تو معجزات وخوارق وغیرہ کو سمجھنے اور سمجھانے میں دقت پیش آسکتی تھی، لیکن اس سائنسی دور میں تو خوارق ومعجزات پر ایمان لانے میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت سائنس کے اکتشافات نے تسلیمِ خوارق کے لیے راہ ہموار کردی۔ امام العصر حجۃ اللہ فی الأرض حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا فرمائے ہیں وہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مستقبل میں (سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد) لوگ مادی وسائل واسباب کے ذریعہ ان جیسے خوارق تک رسائی حاصل کیا کریں گے جن کا ظہور انبیاء ورسل سے بغیر اسباب ووسائل کے ہوا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کا ظہور ہوتا رہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر اُڑ کر صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت طے کرتا تھا، آج فضا میں ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائی جہاز پرواز کرتے ہیں، جو کام الیکٹرک سے ہوسکتا ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تصدیق کے لیے وہی کام بغیر الیکٹرک کے ظاہر نہیں کرسکتے؟!

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں بخوبی سمجھتے تھے، جبکہ عام انسان طیور کی چہچہاہٹ کو مہمل اور بے معنی چیز سمجھتے ہیں، اس معجزہ کی نظیر بھی سائنس نے پیش کردی۔ آپ کسی پوسٹ آفس میں چلے جائیں، وہاں تار کی کٹ کٹ گھنٹوں سنتے رہیں، آپ کے نزدیک اس کی حیثیت بے معنی حرکات واصوات (حرکتوں اور آوازوں) کی ہوگی، لیکن پوسٹ ماسٹر فوراً آپ کو بتادے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں شخص یہ کہہ رہا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ پھر کیوں کر انکار کیا جاتا ہے اس سے کہ صانعِ حقیقی نے نغماتِ طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے بطور پیغمبرانہ اعجاز

کے اپنے ایک اولوالعزم نبی کو اس کا علم عطا فرما دیا ہے۔ شبِ معراج میں حضور اکرم ﷺ کا آسمانوں کا سفر کرنا اور عجائباتِ قدرت کو دیکھ کر واپس آنا، اس سرعتِ رفتار کو جٹ ہوائی جہاز اور بجلی کی رفتار یا راکٹ کی سبک رفتاری سے بخوبی سمجھا اور باور کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور کے حیرت انگیز آپریشنوں نے شقِ صدر کے معجزہ کو باور کرا دیا۔ معراج سے واپسی کے بعد مکہ معظّمہ میں حضور ﷺ کا بیت المقدس کو بلا حجاب دیکھ کر کفار کے سوالات کا جواب دینا اس کی نظیر بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ دوربین یا خوردبین کے ذریعہ ایک شخص جو چیزیں دیکھتا ہے، دوسرے کو وہ اشیاء نظر نہیں آتیں، لیکن اس نظر نہ آنے کی بنا پر کوئی شخص بھی ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا، تو اگر پیغمبر اپنی خداداد دوربین نگاہ سے بیت المقدس کا نقشہ دیکھ کر جوابات دے رہے ہوں تو اس میں کیا تعجب ہے اور کیوں اس کا انکار کیا جاتا ہے؟!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بنا کر ’’نفخ‘‘ کے ذریعہ (پھونک مار کر) اس کو ہوا میں اُڑا دیا کرتے تھے، اس معجزہ کو بھی سائنس کی ایجاد نے حل کر دیا۔ معدنیات کے چند مادے اور ٹکڑے ملا کر برقی طاقت کے ذریعہ ان کو راکٹ کی صورت میں بغیر پائلٹ کے ہوا میں اُڑا دینا اس معجزہ کو باور کراتا ہے۔ اگر برقی طاقت کے ذریعہ جہاز یا راکٹ کو فضا میں چلایا اور کنٹرول کیا جا سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ وقاہرہ سے بتوسطِ نفخِ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندہ کو ہوا میں نہیں اُڑا سکتے؟!

نبی کریم ﷺ کا معجزہ آپ نے سنا ہوگا کہ آپ ﷺ پشت کے پیچھے کی چیزیں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے کی اشیاء کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ اس معجزۂ حقہ کی حقیقت بھی اہلِ سائنس کی کاوشوں نے واضح کر دی۔ ایک انگریز ماہرِ ’’علم بصارت‘‘ لکھتا ہے کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے خلّیے پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ خلّیے دراصل ننھی ننھی آنکھیں ہیں، ان میں اسی طرح سامنے کی چیزوں کا عکس پڑتا ہے اور تصویر اُتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیشانی کی جلد میں بھی قوتِ باصرہ موجود ہے، یہی قوت دماغ کو پیغام پہنچاتی ہے۔

حضور ﷺ کے سامنے درخت جھک جاتے اور آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے۔ ملحدین نے اس معجزہ کا بھی مذاق اُڑایا، لیکن آج ماہرینِ علمِ نباتات نے درختوں اور پودوں کے متعلق جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پودوں میں دیکھنے سننے کی بھی قدرت ہے، آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں، ان پر عشق ومحبت اور رنج وغم کی کیفیات بھی وارد ہوتی ہیں، ان میں سے بعض میں ’’ذکاوتِ حس‘‘ کا مادہ بھی موجود ہے، بعض پودے محض چھوٹے ہی سے سکڑ جاتے ہیں اور ادنیٰ اشارے سے بند ہو جاتے ہیں، اسی ذکاوتِ حس کی وجہ سے ایک پودے کو اردو میں ’’چھوئی موئی‘‘ کہتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور ماہر سائنس سر جگدیش چندر بوس نے طویل تجربہ وتحقیق کے بعد ایک کتاب ’’پلانٹس آٹوگرافس اینڈ

ویر ریویلیشن'' کے نام سے شائع کی ہے، جس میں اس نے پودوں کے متعلق نہایت حیرت انگیز معلومات جمع کی ہیں جن کو سننے یا پڑھنے کے بعد کوئی عقل ودانش کا مالک انسان مذکورہ معجزہ سے انکار نہیں کرسکتا۔

تاریخِ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہوکر مجاہدین کے سپہ سالار ساریہ کو پکار کر کہا: ''یا ساریة الجبل !'' اسی وقت یہ آواز ساریہ کے کانوں تک پہنچ گئی، حالانکہ وہ مدینہ منورہ سے صدہا میل دور تھے۔ یہ آواز ان تک کس طرح پہنچی؟! اس کرامتِ حقہ کو وائرلیس کی ایجاد نے حل کردیا، آج آپ وائرلیس ٹیلیفون کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روحانی وائرلیس کے ذریعہ ساریہ تک اپنی آواز پہنچادی۔

عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیغام میٹروگریڈ سے لندن چلا، راستہ میں بعض جرمن ماہرین اُسے جذب کرنے لگے، اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان پر بم پھینکا اوران کی اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس واقعہ سے وحیِ آسمانی کی شہاب کے ذریعہ حفاظت کا مسئلہ بھی بآسانی ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیغام ارضِ حجاز کو جارہا ہے، شیاطین اس کو درمیان سے اُچکنا چاہتے ہیں، اوپر سے شہابِ ثاقب کا بم ان کا کام تمام کردیتا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ: ''شیطان اوراس کا لشکر تم کو دیکھتا ہے، لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے۔'' آج ٹیلی ویژن سے اس مسئلہ کو بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر تقریر کرنے والے کو وہ سب لوگ دیکھتے ہیں جو اس کے سامنے ہیں، لیکن وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اس کی تقریر اوراس کی نقل وحرکت کو دوسرے دیکھتے ہیں، وہ خود اس سے عاجز ہے کہ اپنے دیکھنے والوں کو دیکھ سکے۔

نبی کریم ﷺ نے ''مستقبل بعید'' اور ''مابعدالموت'' کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اورقبر اوراس کے بعد جہنم کے مہیب عذاب اورخوفناک کیفیات سے اُمت کو ڈرایا ہے، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ''راڈر'' سے مدد لی جاسکتی ہے، ''راڈر'' ایک آلہ ہے جس کی مدد سے جہازوں کا نظام چل رہا ہے۔

یہی آلہ آپ کو بتاتا ہے کہ آگے کونسی چیز آرہی ہے جس سے جہاز کو نقصان لاحق ہوسکتا ہے، تقریباً سو میل سے ہی یہ آلہ بتلادیتا ہے کہ سامنے غلیظ بادل یا بلند پہاڑ آرہا ہے۔ اگر ایک بے جان آلہ مسافتِ بعیدہ کے حالات سے آپ کو مطلع کرسکتا ہے تو کیا پیغمبر کی بصیرتِ قلبی وفراستِ ایمانی مستقبل کے حالات کا ادراک نہیں کرسکتی؟!

بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑنے لگے، اس پر زائغین کو ہنسی آتی تھی کہ

انسان کس طرح ہوا میں اُڑسکتا ہے، لیکن تدریجی طور پر سائنس ان تمام ناقابل فہم مشکلات کا حل پیش کررہی ہے، چند ماہ قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ’’امریکہ‘‘ میں ایک انسان کو خلائی جہاز میں سوار کرکے دنیا کے سفر پر روانہ کیا گیا، مدار پر پہنچ کر وہ سوار جہاز سے باہر نکل آیا، کئی منٹ تک فضا میں پرواز کرتا رہا، بعد میں خود ہی جہاز کے اندر چلا گیا۔ اس خبر کا تو کسی نے انکار نہیں کیا، لیکن اگر ایسا واقعہ کسی خدا رسیدہ بزرگ کا بیان کیا جائے، اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں ۔

الغرض سائنس کی ترقی اور محیر العقول سائنسی ایجادات کا بغور مطالعہ کرنے سے اسلام کے بہت سے پیچیدہ مسائل اقرب الی الفہم اور قابلِ قبول ہوجاتے ہیں، اب جبکہ ہر طرف سے ایمان کی متاعِ گراں مایہ کو لوٹنے کے لیے نئے سے نئے فتنے رونما ہورہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسی سرکش انسان کے ہاتھوں نو بنو خارق العادۃ ایجادات ظاہر فرمارہے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کو تسلیم نہ کرنے والوں پر اتمامِ حجت ہوجائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ: ’’إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ ‘‘ وباللّٰہ التوفیق۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

’’بینات‘‘ (اردو/عربی) کے اجراء کا طریقہ

1:...جو حضرات دفتر ’’بینات‘‘ تشریف لاسکتے ہیں، وہ دفتر آکر اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر درج کرانے کے ساتھ ماہنامہ ’’بینات‘‘ اردو کے لیے مبلغ 400 روپے اور سہ ماہی ’’البینات‘‘ عربی کے لیے 100 روپے سالانہ فیس جمع کرائیں ۔

2:...دور رہنے والے حضرات اپنے مکمل پتہ کے ساتھ مذکورہ فیس کا منی آرڈر دفتر ’’بینات‘‘ کے پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کے آخر میں یہ وضاحت ضرور فرمائیں کہ یہ رقم رسالہ ’’بینات‘‘ (اردو یا عربی) کے اجراء کے لیے ہے۔

3:... یا ’’بینات‘‘ کے بینک اکاؤنٹ میں مذکورہ فیس جمع کرواکر بینک سے ملنے والی رسید اسکین کرکے اپنے نام، مکمل پتہ اور فون نمبر کے ساتھ ’’بینات‘‘ کے ای میل ایڈریس پر میل کردیں، یا بذریعہ ڈاک بھیج دیں۔ اکاؤنٹ نمبر: 101900-397-7 برانچ کوڈ: 0816 مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

نوٹ:... پرانے خریدار بھی مذکورہ طریقوں سے سالانہ فیس جمع کراسکتے ہیں، مگر ان کے لیے اپنے خریداری نمبر کی وضاحت ضروری ہے (اردو اور عربی کی تعیین کے ساتھ)۔

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(سولہویں قسط)

﴿ مکتوب:......۲۶ ﴾

جنابِ صاحبِ فضیلت، اوصافِ جمیلہ سے متصف، محققِ راسخ، سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ورعاه

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا والا نامہ موصول ہوا، میں علامہ مفتی مہدی حسن - اللہ تعالیٰ اُنہیں خیر وعافیت کے ساتھ بقائے طویل عطا فرمائے - کی آمد سے حاصل ہونے والی مانوسیت میں آپ کا شریک ہوں اور راہِ علم اور خدمتِ دین میں (آپ دونوں کے درمیان) باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل پر مجھے رشک آتا ہے، آپ سے ہمیشہ بابرکت دعاؤں کی توقع رکھتا ہوں۔

ہمارے گھر کے مالک نے اپنا گھر کسی اور شخص کو فروخت کردیا ہے، اور نفع (میں اضافے) کے شوق میں اسے منہدم کرکے نئے سرے سے تعمیر کا ارادہ رکھتا ہے، اس بنا پر اس نے مکان خالی کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور ہم اب تک مناسب گھر کرائے پر نہیں لے سکے۔ یہ معاملہ مکانات کے سخت بحران کے ان لمحات میں بہت تکلیف دہ ہے، اللہ سبحانہ ہمارے لیے اس مہم کو آسان فرمائے۔ آپ کے خط کے جواب میں تاخیر کا سبب یہی امید تھی کہ شاید (مکان کی تبدیلی کی صورت میں خط وکتابت کا) نیا پتہ ذکر کرسکوں، لیکن تا حال ایسا نہ ہوسکا، اس لیے مزید تاخیر مناسب نہ سمجھی۔

(شاہ ولی اللہ) دہلوی (رحمہ اللہ) کے متعلق کچھ کہنا خود میرے نفس پر شاق تھا، لیکن (حنفی) مذہب کو کمزور ظاہر کرنے کے لیے مخالفین ان کی تحریروں سے فائدہ اُٹھاتے دکھائی دیتے ہیں، اس لیے ان کے نقطہائے نظر کے حوالے سے بعض حقائق کو واشگاف کرنا پڑا۔ باقی (شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی

تالیف) عبقات [1] کا عرصہ پہلے میں نے مطالعہ کیا ہے، کیوں کہ ''**دار الکتب المصریة**'' میں (اس کا نسخہ) موجود ہے، میں ''**فتح الملهم**'' کے واسطے [2] سے اس (کے مباحث) سے آگاہ نہیں ہوا، گزرے زمانے میں لوگ کہتے تھے: حکم اور حدیث کے معاملے میں تساہل صحیح نہیں۔ [3] زیادہ سے زیادہ یہی ممکن تھا کہ جب تک کچھ کہنا ضروری نہ ہو تو خاموشی اختیار کر لی جاتی۔

مسئلہ تجلیات ان (شاہ صاحب) کی کتابوں میں بتکرار بیان ہوا ہے، میری رائے ہے کہ ایسے ذوقی علوم جن (کے کماحقہا بیان) سے تعبیرات تنگ دامنی کا شکار ہو جاتی ہیں، انہیں اصحابِ علم کے لیے چھوڑ دیا جائے اور اہلِ علم کے معیارات کے مطابق علومِ نقلیہ وعقلیہ پر اکتفا کر لیا جائے۔ جو شخص بھی اپنی وسعت سے باہر مسائل ومباحث میں عقل کھپائے گا تو تیمی اور دہلوی تناقضات میں مبتلا ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مصطفیٰ (ﷺ) کے طفیل ہماری رہنمائی فرمائے (آمین)۔

فقہ اسلامی کی تاریخ کے موضوع پر حَجْوی [4] کی ''**الفکر السامی**'' چار حصوں میں بہت نادر ہے، اس کتاب کے مؤلف، وَفَیات اور تراجم رجال کے حوالے سے کثرتِ اغلاط کے باوجود بہت سے پہلوؤں پر (اہلِ) مغرب سے مناقشہ کرتے ہیں، انہوں نے رومی قانون کی تقسیم کے طرز پر فقہ کو بچپن، جوانی، ادھیڑ پن اور بڑھاپے کے ادوار میں تقسیم کیا ہے، لیکن دورِ نبوت کو فقہ کا زمانۂ طفولت شمار کیا ہے، جبکہ (صحیح معنوں میں) اپنے کہے کا فہم رکھنے والا ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ بہر کیف پھر بھی اس کتاب سے آگاہی فائدے سے خالی نہیں، البتہ جدیدیات اور تیمی شطحیات سے تأثر نے ان کی بعض خوبیوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ [5]

اور ابوزہرہ [6] عصری حقوق کے طلبا کو ائمہ اعلام کے موروثی ذخیرے کے اہتمام کی جانب متوجہ کرنے کی بنا پر مجھے بھلے لگتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے تمام اقوال پسندیدہ ہیں، [7] اور ہمارے درمیان غائبانہ تعارف ہے۔ [8]

مجھے ''**تاریخ البخاری**'' کے جزءِ دوم (دونوں قسموں) اور ابن فُوْرَک کی ''**مشکل الحدیث**'' کی ضرورت ہے۔ آپ کی مطلوبہ کتب بھی ان شاء اللہ! جلد ہی بھیجوں گا۔ ''**عبقات**'' اگر آپ کو بازار میں دست یاب نہ ہو تو اپنا ذاتی نسخہ - جیسے آپ نے پہلے کہا تھا - بھیجنے کا کوئی باعث نہیں۔ مولانا میاں کی جانب سے اپنی رائے کا کوئی جواب نہیں ملا، شاید وہ آپ سے براہِ راست خط وکتابت کریں گے۔

امید ہے کہ آپ کے علمی عزائم تیز تر ہوں گے، خواہ مشکلات جیسی بھی پیش آئیں اور آرزوؤں کے پورا ہونے میں جتنی بھی تاخیر ہو؛ اس لیے کہ توفیق اللہ عزوجل ہی کی طرف سے ہوتی

ہے۔عزیز احباب کو میرا اسلام پہنچے، معزز و محترم بھائی! میں آپ سب کی دعاؤں کا متمنی ہوں۔

مخلص

محمد زاہد کوثری

۱۴؍ جمادی الثانیہ، سن ۱۳۶۸ھ

شارع عباسیہ نمبر:۶۳

پس نوشت: ''**المحدث الفاصل** '' کی عبارت کے حوالے سے آپ نے کیا عمدہ توجیہ پیش کی ہے! لیکن میں نے (مکتبہ) ظاہریہ میں موجود جس نسخے سے یہ عبارت نقل کی ہے، اس پر حافظ عبدالغنی مقدسی (رحمۃ اللہ علیہ) کا خط بھی ہے، لہٰذا ''**ما لأمة** '' کو اس مفہوم پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ وہ انفرادی (روایات) کو قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ ان روایات کو قبول کرتے تھے جنہیں ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔ (۹)

حواشی

۱:- علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''**حسن التقاضی** '' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر نقد کے ضمن میں ''**عبقات** '' پر بھی تنقید کی ہے۔ محدثین وحنفیہ اور تصوف کے درمیان تطبیق کوششیں کرنے والوں کے ہاں اس کتاب کی بہت اہمیت ہے، مجلسِ علمی کراچی نے سن ۱۳۸۱ھ میں یہ کتاب دوبارہ چھپوائی تھی، اور اس ایڈیشن پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ بھی لکھا اور کتاب کی تعریف کی، یہ مقدمہ مقدماتِ بنوریہ (ص:۲۱۲-۲۱۹) میں درج ہے۔

۲:- مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''**فتح الملہم** '' (ج:۲،ص:۲۰۶) میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ''**عبقات** '' سے تجلی کی بحث ذکر کی ہے، اور لگ بھگ سات صفحات پر مشتمل طویل اقتباس نقل کیا ہے۔

۳:- یہ قول مشہور ہے اور علمائے سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے، امام عقیلی نے امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ''**خصلتان لا یستقیم فیهما حسن الظن: الحکم والحدیث** '' (**الضعفاء للعقیلی**، ج:۱،ص:۹) یعنی ''دو چیزوں میں حسنِ ظن درست نہیں: حکم اور حدیث۔''

۴:- محمد بن حسن بن عربی حُجِوِی ثعالبی زینبی فاسی مالکی: نامور عالم، فقیہ اور مفسر تھے۔ اس آخری عہد میں مغرب کے نمایاں رجالِ کار میں شمار ہوتے تھے اور علومِ دینیہ کی تجدید کے قائل تھے۔ سن ۱۲۸۱ھ میں ولادت ہوئی اور سن ۱۳۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: ''**الأعلام**'' زرکلی (ج:۶،ص:۹۶) اور ''**تراجم ستة من فقهاء العالم الإسلامی** '' شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ (ص:۱۳۷ تا ۲۱۵)۔

۵:- شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''**تراجم ستة من فقهاء العالم الإسلامی** '' میں اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ دیکھیے: (ص:۱۸۷-۱۸۸)۔

۶:- محمد بن احمد بن مصطفیٰ ابوزہرہ: کبار فقہاء میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی بہت سی مفید تالیفات ہیں۔ سن

۱۳۱۶ھ میں پیدائش ہوئی اور سن ۱۳۹۴ھ میں وفات پائی۔

علامہ کوثریؒ ان کے متعلق رقم طراز ہیں: ''جناب استاذِ باکمال ولائق، سید محمد ابوزہرہ، استاذِ شریعہ کلیہ حقوق قاہرہ۔'' (حسن التقاضی، ص:۶۹)

مزید حالات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ''أبو زهرة'' ابوبکر عبدالرزاق، ''الأعلام'' زرکلی (ج:۶، ص:۲۵-۲۶) اور ''من أعلام الدعوة'' عبداللہ عقیل (ج:۲، ص:۱۷۷-۱۸۷)۔

۷:- بظاہر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے علامہ کوثری رحمہ اللہ کے اپنی کتاب ''حسن التقاضی'' میں شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ کی تعریف کرنے پر ان سے استفسار کیا ہوگا، اور اس خط میں موصوف اس کا جواب دے رہے ہیں۔ علامہ کوثریؒ نے اسی مقام پر ائمہ اربعہؒ کے حالات اور علمی کارناموں پر شیخ کے سلسلۂ کتاب کو بھی بلند الفاظ میں سراہا ہے۔

۸:- شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ نے اپنے متعلق علامہ کوثریؒ کی تحریر پڑھ کر ازخود ان سے ملاقات کی اور یوں باہم تعارف ہوا۔ بعد ازاں شیخ نے علامہ موصوف کے متعلق مشہور زمانہ مقالہ تحریر کیا تھا، جو ''مقالات الكوثري'' کی ابتدا میں چھپا ہوا ہے۔

۹:- علامہ کوثری رحمہ اللہ نے ''حسن التقاضي'' (ص:۱۱) میں قاضی رامہرمزی رحمہ اللہ کی کتاب ''المحدث الفاصل'' کے حوالے سے نقل کیا ہے: ''(رامہرمزی نے) عفان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم کوفہ میں چار ماہ مقیم رہے، چاہتے تو اس دوران ایک لاکھ احادیث لکھ سکتے تھے، لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار کی مقدار احادیث ہی لکھیں، (آگے زیرِ بحث عبارت کچھ یوں ہے: ''وما رضينا من أحد إلا ما لأمة إلا شريكا، فإنه أبى علينا'' یعنی) اور ہم کسی (کی روایات میں) سے انہی (روایات) پر راضی ہوئے جو امت کی تھیں، سوائے شریک کے کہ انہوں نے ہم پر نکیر کی، اور ہم کوفہ میں کسی کولحن (ضبط و اتقان میں غلطی) اور (روایتِ احادیث میں) تساہل برتنے والا نہیں پایا۔'' علامہ کوثریؒ نے یہی عبارت ''نصب الراية'' کے مقدمہ ''فقه أهل العراق وحديثهم'' (ص:۵۱) میں بھی نقل کی ہے، حضرت بنوری رحمہ اللہ کو اس عبارت کے ایک لفظ ''ما لأمة'' پر اشکال ہوا، چنانچہ حضرت ''نصب الراية'' کے مقدمہ کے حاشیہ میں اس لفظ کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مراد یہ ہے کہ کسی شخص یا اس کی روایات کو قبول کرنے کے حوالے سے ہم اسی پر راضی ہوتے تھے جسے اُمت نے تلقی بالقبول بخشا ہو، اس مشکل شرط کو دیکھیے اور پھر (روایات کی) اس کثرت پر غور کیجیے، یہ نکتہ اہم ہے، اسے سمجھ لیجیے۔'' ''حسن التقاضي'' میں علامہ کوثریؒ نے دوبارہ یہی عبارت بطورِ استشہاد پیش کی تو حضرت بنوریؒ نے اس موقع کو مناسب جان کر اس کلمے کی دوسری قراءت ذکر کی، پیشِ نظر مکتوب میں علامہ موصوف نے حضرت کو اس کا مذکورہ جواب دیا ہے، ''المحدث الفاصل'' کے مطبوعہ نسخے (ص:۵۵۹) میں یہ عبارت یوں درج ہے: ''وما رضينا من أحد إلا بالإملاء إلا شريكا''۔ ڈاکٹر سعود سرحان نے مطبوعہ نسخے کی اس عبارت کو علامہ کوثریؒ کی ذکر کردہ عبارت سے صحیح قرار دیا ہے، لیکن ہماری رائے میں کتاب کے اصل مخطوطات کی مراجعت کیے بنا کسی پہلو کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

(جاری ہے)

تدریب المُعلِّمین

مولانا عمران عیسیٰ
استاذِ جامعہ

وقت کی اہم ضرورت!

تمہید

معاشرتی اصلاح، فرد کی اصلاح پر منحصر ہے اور فرد کی اصلاح کے لیے والدین کے علاوہ سب سے زیادہ دخل ''مدرس ومعلم'' کا ہوتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ ''معلم'' کا کردار والدین سے بھی بڑھ جاتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معلم بنا کر بھیجا: ''**إنما بعثت معلما**'' بلکہ اُمت کے لیے مربّی بھی بنایا اور اس عظیم کام کی نگرانی براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی، چناں چہ ارشاد ہوا: ''**علمنی ربی فأحسن تعلیمی و أدبنی ربی فأحسن تادیبی**۔'' بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہنا بھی بالکل حق ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ معلم ہی نہیں، ''معلم گر'' اور ''انسان ساز'' تھے۔ اسی کا ثمر تھا کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت میں ایک عظیم گلدستہ تیار ہوا، جنہوں نے ایمان واسلام کو صرف قبول نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ اس کا ایک پرتو ہمیں کتبِ احادیث میں ان روایات وارشادات کی صورت میں نظر آتا ہے، جن کو حضرات محدثین ''**أبواب المناقب**'' کے تحت ذکر کرتے ہیں، مثلاً: ''**أقرأهم أبی بن کعب، أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل و أفرضهم زید بن ثابت**'' وغیرہ۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ارشادِ نبوی: ''**لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ**۔'' جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال پر دلیل ہے، وہیں رسول اللہ ﷺ کی انسان سازی کی اعلیٰ شان کو بھی بتاتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث واستاذ الحدیث مدرسہ عربیہ رائیونڈ) اور صدر وفاق حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب اسکندر مدظلہٗ دونوں سے سنی (اگرچہ دونوں

کی تعبیر جدا جدا ہے، مگر مفہوم ایک ہی ہے) کہ کامیاب مدرس واستاذ کا مخلص ہونا ضروری ہے اور اخلاص کی علامت یہ ہے کہ اس کے اندر جذبہ ہو کہ میرے شاگرد کو پیشِ نظر کتاب مجھ سے بہتر آ جائے اور جیسے صلبی اولاد سے باپ کو حسد نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ترقی کو اپنے لیے خوشی وافتخار سمجھتا ہے، یہی حال ایک مخلص استاذ ومربّی کا ہوتا ہے۔

رجالِ کار تیار کرنے کا جذبہ

پھر انسان سازی کا یہ جذبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور ''قرناً بعد قرنٍ'' ہر زمانے کے ائمہ وعلماء کو ورثہ میں ملا۔ ایک دلچسپ قصہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیاۃ الصحابہؓ'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ساتھیوں سے پوچھا: اپنی اپنی خواہش کا اظہار کرو۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا: میری آرزو یہ ہے کہ یہ گھر درا ہم سے بھرا ہوا ہو اور میں اس سب کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کوئی اور اپنی خواہش ظاہر کرے۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ: میں تو یہ چاہوں گا کہ اس گھر کو سونے سے بھر دیا جائے اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالوں۔ تیسرے صاحب نے یہ تمنا کی کہ یہ گھر قیمتی جواہر سے بھرا ہوا ہو اور میں اس کو راہِ خدا میں لُٹا دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال دہرایا تو ساتھیوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ اس سے بڑھ کر کیا تمنا کی جاسکتی ہے؟! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میری تمنا تو ہے کہ اس گھر میں ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جیسے لوگ ہوں اور ان کو اللہ کی فرماں برداری کے کاموں میں استعمال کروں۔ (حیاۃ الصحابہؓ، باب انفاق الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

Human Resource کی یہ عملی شکل تھی۔

یہ اُمت بانجھ نہیں

رسول اللہ ﷺ کی کمال حوصلہ افزائی دیکھئے کہ صرف حضرات سابقین واولین کے فضائل و مناقب نہیں سنائے، بلکہ اپنی اُمت کے آخری طبقہ کو بھی خوشخبری سنا کر گئے، چناں چہ ارشاد فرمایا کہ: ''میری اُمت کی مثال بارش کی سی ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ نفع بخش ہے یا آخری حصہ۔'' گویا اُمت کا آخری طبقہ بھی صحابہؓ جیسے کارنامے بے شک سرانجام نہ دے سکے، مگر خیر و رشد سے وہ بھی خالی نہیں۔

تب ہی تو ہم اکابر کے سوانح میں پڑھتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے کہا گیا

کہ: ''صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا، یہ بچھڑ کر پیچھے آ گئے۔'' اور بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی والدہ کہا کرتی تھیں کہ: ''مجھے اس بچے سے صحابہؓ کی خوشبو آتی ہے۔''

آمدم برسر مطلب

مقصد اس تمہید کا یہ ہے کہ ہمارے اکابر علماء کی اخلاص کے ساتھ پیہم محنت کا ثمرہ جہاں دینی مدارس اور پھر وفاق المدارس کی صورت میں دیکھ رہے ہیں، جس ایک ہی بورڈ کے تحت عالمیہ کا امتحان دے کر کامیاب ہونے والے طلبہ کی تعداد ۱۴۳۹ھ میں دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ یہ تعداد عصری اور دنیاوی اداروں کے لحاظ وتناسب سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، مگر یہ تعداد بھی کم نہیں۔ آخر کو فرمانِ باری عزّ اسمہ: ''إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ'' اور حدیث کا ارشاد: ''لن يغلب اثنا عشر من قلة'' سیرتِ طیبہ میں بدر کے ۳۱۳ کا تین چند کو شکست فاش دینا اور پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ایک موقع پر ۶۰۰۰۰ کے مقابلے میں ۶۰ افراد کا لے جانا' ہمیں بتاتا ہے کہ کمیت سے زیادہ کیفیت مطلوب ہے۔ فیصلہ گنتی پر نہیں، بلکہ صفات پر ہوتا ہے۔ مسئلہ اس وقت دین پڑھنے والوں کے عدد کا نہیں، بلکہ المیہ یہ ہے کہ یہ فضلاء وعلماء کس حد تک اُمت کو سنبھالنے کے متحمل ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون کے ذریعہ اس طرف توجہ دلانا مقصد ہے کہ اپنے نوجوان فضلاء وعلماء کو سنبھال کر اُن کی تربیت اور Grooming کی اگر عملی صورت ہو جائے تو یہ نہ صرف ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنیں گے، بلکہ دین کی محنت کی جس بھی شکل وترتیب میں اللہ نے لگایا ہوا ہے، یہ نوجوان فضلاء اکابر کے سچے ولائق نائب وجانشین بن کر دین کی آبیاری کا کام آگے بڑھاتے رہیں گے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

یوں تو انحطاط اور زوال کی باتیں زبان زدِ عام ہیں، مگر ہمارا دین ہمیں مثبت سوچ رکھنے کی ترغیب دیتا ہے، اسی لیے ناامیدی کی دین میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، بلکہ ہمارے رفقاء بہت باصلاحیت ہوتے ہیں، مسئلہ صرف ذہن سازی کا ہے۔ سب سے اہم بات جس کا ذہن بنانا ہوگا وہ یہ ہے کہ تدریس خود سیکھنے کا تقاضا کرتی ہے، اس لیے ہر عالم یہ سمجھ لے کہ میں نے ''پڑھانے'' کو سیکھنا ہے، جیسے ہم' عصری شعبوں میں دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اور انجینئر کے لیے بغیر ہاؤس جاب یا ماہر کی زیرِ نگرانی کام کیے آگے بڑھنے کی صورت نہیں ہوتی، نہ ہی ہم اس سے استفادے کے روادار ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی میں پڑھانے کے لیے بی ایڈ کی ڈگری ضروری ہے تو قرآن وحدیث کی امانت میں تساہل کیسے برداشت کرلیا جائے؟! کیا یہ بات تعجب کی نہیں کہ شعبان تک جو طالب علم تھا وہ دو ماہ بعد

مسندِ تدریس پر براجماں ہوجائے بغیر کسی تجربہ ورہنمائی کے، گویا مبتدی طالب علم کو نوآموز مدرس کے لیے تدریس سیکھنے کے لیے تختۂ مشق بنادیا جائے۔

جب ہمارے فضلاء اس نکتہ پر جمع ہوجائیں کہ اگلا مرحلہ ان کی رہنمائی کا ہوگا، **''رہنمائی''** کی مضبوط ومؤثر شکل تو یہ ہوگی کہ اربابِ وفاق ہی **''تدریب المعلمین''** کا ایک سالہ کورس مرتب کریں اور اس کی باقاعدہ سند جاری کی جائے اور جب تک کسی وجہ سے اس کی عملی شکل نہ بنے، کم ازکم بڑے مدارس پانچوں صوبوں میں اکابر اہلِ علم کی مشاورت سے نئے فضلاء کے لیے منہج ونظم مرتب فرمائیں اور اس کی اہمیت بڑھانے کے لیے فضلاء کے لیے ''تدریب المعلمین'' کے مرحلے سے گزرنا، تقرری کے لیے شرط، ورنہ کم ازکم وجۂ ترجیح ضرور قرار دی جائے۔

''تدریب المعلمین'' کی عملی صورت

میری ان نگارشات کی حیثیت ''جهد المقل دموعه'' اور ''رانڈ کے رونے'' سے زیادہ شاید نہ ہو، مگر امید ہے کہ اربابِ علم ان باتوں سے نہ صرف متفق ہوں گے، بلکہ شاید یہ ان کے دل کی آواز بھی ہو۔ یہ بھی طے ہے کہ اس منہج کی تنقیح وتہذیب میں وقت لگے گا، مگر اس وقت تک اس کام کو چھوڑے رکھنا بھی معقول معلوم نہیں ہوتا۔ تجرباتی طور پر تو کچھ کام کرنے ہوں گے۔ یہ تجربہ خود بہت کچھ سکھادے گا۔

چناں چہ اس غور وفکر کے دروازے کو کھولنے کے لیے کچھ منتشر و بے ربط باتیں (جن کو تجویز کا نام بھی نہیں دے رہا) پیشِ خدمت ہیں۔ اُمید ہے کہ اربابِ علم وفضل جب اس رُخ پر غور کرنا شروع کریں تو اس سے بہتر تجاویز سامنے آئیں گی:

۱:...... فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے ایک کمیٹی اساتذہ کی تشکیل دی جائے جو ہر فاضل سے انفرادی طور علمی استعداد، گھریلو حالات اور ذاتی دلچسپی کا تفقُّد کرے، جس سے یہ اندازہ ہو کہ کس فاضل کا کس شعبہ میں لگنا موزوں ہے۔ واضح بات ہے نہ ہر عالم ہر شعبہ کے لیے موزوں ہوگا، نہ ایک ہی شعبہ سب کو لینے کا متحمل ہوگا۔ نیز یہ بھی دیکھنے کی بات ہوگی کس شعبہ میں کتنے افراد کی ضرورت ہے۔

۲:...... جب مختلف فضلاء کے لیے ان کے اساتذہ کی رہنمائی میں الگ الگ شعبے تجویز ہوگئے تو پھر اس شعبہ میں بھیجنے سے پہلے اس کی تربیت کا کوئی نظام بنایا جائے، مثلاً: اگر کسی کے لیے شعبۂ حفظ میں لگنا تجویز ہو یا کوئی خود اس طرف راغب ہو (جو کہ یقیناً ہونا چاہیے، کیوں کہ ہمارے علماء نے اس

شعبہ کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، جس کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں) تو بجائے اس کے پہلے دن سے کلاس میں بٹھا کر معصوم بچے ایک ناتجربہ کار ساتھی کے حوالے کر دیئے جائیں، ایک مخصوص وقت کے لیے اس کو حفظ کی کلاس سنبھالنے کی مشق کرائی جائے۔ اس حفظ کرانے کی مشق اور عملی تربیت کے لیے بھی ایک مقالہ درکار ہے، مگر سرِ دست تو ایک خُطہ پیش کرنا مقصد ہے۔

۳: ......جن فضلاء کے لیے شعبۂ کتب سے منسلک ہونا تجویز ہو، ان کے لیے ایک سالہ نصاب بطور تکمیل/تکملہ کے مرتب کیا جائے اور جیسے اوپر عرض کیا ان کو اس سے گزرے بغیر اور کامیاب ہوئے بغیر سبق حوالے نہ کیا جائے۔ تکمیل میں بنیادی طور پر فنون کی ایک ایک اہم کتاب کو بالاستیعاب اور تحقیق کے ساتھ پڑھایا جائے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ کچھ عرصے پہلے تک ملک کے مختلف علاقوں میں بعض علماء تکمیل کرانے کا شہرہ رکھتے تھے اور بلاشبہ ان کے پاس سے نکلے ہوئے علماء کی بصیرت مختلف ہوتی تھی۔

۴: ......پھر اگلے مرحلہ میں بھی اس کو مستقل سبق حوالہ نہ کیا جائے، بلکہ کچھ عرصے کے لیے معاون مدرس کے طور پر کسی فن کے کہنہ مشق استاذ کے ساتھ جوڑا جائے، تاکہ عملاً تدریس کا طریقہ سامنے آئے۔ اس کی اس سے بہتر کیا مثال ہوگی کہ جامعہ علوم اسلامیہ کے بانی ومحدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے سننِ ترمذی کا درس جب حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ جیسے فقیہ النفس کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا تو ایک سال ان کو اپنے درس میں شریک رکھا۔

۵: ......اخلاقی ونفسیاتی تربیت: رسول اللہ ﷺ کے اندازِ تعلیم وتربیت میں ایک خاص وصف آپ کی شفقت، دل سوزی اور خیر خواہی کا تھا۔ ذخیرۂ حدیث ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جن کو ہم پڑھاتے ہیں، مگر عملی تطبیق کی طرف توجہ نہیں۔ صحابی کا زنا کی اجازت مانگنا اور رسول اللہ ﷺ کا حکیمانہ جواب اور اعرابی کا مسجد میں پیشاب کرنا اور رسول اللہ ﷺ کا اُسے سمجھانا، جس کو بعد میں وہ یاد کیا کرتے تھے۔ یہ دو واقعات بطور مثال اور اشارے کے لکھے کہ بیان کی حد تک تو ہمیں یہ قصے مستحضر ہیں، مگر عمل کے لیے.......۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی کتاب ’’**الرسول المعلمؐ وأسالیبه فی التعلیم**‘‘ اس موضوع پر لائقِ مطالعہ ہے۔

مزید برآں! استاذ کا طالب علم کی نفسیات سے واقف ہونا بھی از حد ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نفسیات ایسی چیز ہے کہ درس گاہ کے پچاس طلبہ میں سے ہر ایک کی دوسرے سے الگ ہوسکتی ہے۔ یہ تو نبوی طریقۂ تعلیم کا ایسا اہم باب ہے جس پر مستقل مذاکرے اور تمارین کی

ضرورت ہے۔

۶:......نمبر وار سلسلے میں تو یہ ۶ نمبر پر ہے، مگر اہمیت کے لحاظ سے سب سے مقدم ہے اور وہ ہے ہر ساتھی تعلق مع اللہ، تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ کرے، جو دار العلوم دیوبند (جس کے ہم خوشہ چین کہلاتے ہیں) کا خاصہ و امتیاز تھا۔ خود تو اس بارے میں کیا عرض کروں، شوال ۱۴۰۳ھ کے ماہنامہ البلاغ کے مضمون میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''دار العلوم دیوبند اور اس کے فیض یافتہ دوسرے دینی مدارس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے علم برائے علم کو کبھی مقصد نہیں بنایا، چناں چہ وہاں کے تمام طلبہ درسیات سے فراغت کے فوراً بعد کسی شیخ کامل سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کر لیتے تھے۔''

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''افسوس کہ اب دینی مدارس اور ان کے فارغ التحصیل حضرات میں اپنی اصلاح و تربیت کا ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے، بلکہ بہت سی جگہوں پر سلوک و تصوف اور تربیت و ارشاد کو مدِ فضول سمجھ لیا گیا۔''

البلاغ ہی کے جمادی الثانیہ ۱۴۰۴ھ کے شمارے میں ''دینی مدارس- نصاب و نظام'' کے عنوان کے تحت حضرت لکھتے ہیں:

''کوئی مادہ پرست کہہ سکتا ہے کہ ان باتوں کا مدرسے کے مقاصد پورے ہونے اور اچھے طلبہ کی پیداوار سے کیا تعلق ہے؟ مگر ہم اکابر علماء دیوبند کے نام لیوا ہیں، ان باتوں کو مدرسے کی کامیابی اور ناکامی سے بے تعلق نہیں قرار دے سکتے۔ ان مدارس کی بنیاد اخلاص، للّٰہیت اور تقویٰ پر ہے الخ۔''

اس لیے استاذ کا دین و عمل کے میدان میں نمونے بننا از حد ضروری ہے، مگر یہ بات صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے طلبہ کے لیے نہ سہی، ہر فاضل کو تو اس کی ضرورت محسوس ہونی چاہیے اور نہ ہو تو کرانی چاہیے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کر کے تعلق مع اللہ کے مدارج طے کرنے ہیں۔

ان بے ربط باتوں پر مضمون کو سمیٹتے ہوئے وہی بات دہراؤں گا کہ یہ خاکہ حتمی نہیں، بلکہ ایک سوچ کی طرف افاضل کو توجہ دلانا ہے، جو بلا شبہ اس کی بہتر صورت مرتب کریں گے۔

مختصر ورکشاپ کا انعقاد

پھر یہ باتیں نئے فضلاء ہی کے لیے صرف نہیں، بلکہ ہر سال نہیں تو ہر دوسرے سال، ہر

مدرسے میں اس عنوان پر یاد دہانی کے لیے ورکشاپ کے انداز میں ایک روزہ یا دو روزہ نشست کا اہتمام کیا جانا بھی ضروری ہے، جس میں مختلف عنوانات پر ماہرین و متقنین سے فائدہ اُٹھایا جائے اور تذکیر کی ضرورت تو ہر انسان کو ہر وقت ہوتی ہی ہے۔ ہمارے جامعہ بنوری ٹاؤن میں ۲۰۰۷ء میں اس طرح کا مذاکرہ ہو چکا، جس کا فائدہ ایک معتد بہ عرصے تک بہت سے اساتذہ نے محسوس بھی کیا اور دوبارہ شوال ۱۴۳۹ھ، ۳ تا ۵ جولائی ۲۰۱۸ء تین روزہ اجتماع، اسی عنوان پر رکھا گیا۔ اسی میں یہ بھی طے ہوا کہ مختلف نشستوں میں فن وار طریقۂ تدریس کا مذاکرہ ہوا کرے گا، جس کی عملی ترتیب عربی اور اصولِ فقہ کے لیے تو ذوالحجہ میں ہوگی، اب آئندہ دیگر موضوعات بھی زیرِ غور ہیں۔

آخری گزارش

ایک مؤدبانہ درخواست یہ بھی ہے کہ تقسیم اسباق کے طریقۂ کار پر بھی اہل مدارس کو نظرِ ثانی کرنی ہوگی۔ واضح بات ہے کہ جیسے نئے مدرس کو فوقانی درجے کا سبق نہیں دیا جاسکتا تو ابتدائی سال میں جن میں استعداد بنا کرتی ہے، وہاں مبتدی طلبہ کو نئے استاذ کے آگے تختۂ مشق بنانا بھی محلِ نظر ہے۔ پھر یہ بھی عجیب طرزِ عمل ہے کہ ایک مدرس کے پاس اگر تین سبق ہیں تو وہ تین الگ الگ فنون کے ہیں، (وہ بھی اس کے ذوق کی رعایت کے بغیر) نیز وہ اسباق بھی بعض مرتبہ ہر سال بدل رہے ہوتے ہیں یا ''بدلوائے'' جاتے ہیں، حالاں کہ مجھ ناقص کی رائے میں ایک کتاب کو تین سے چار مرتبہ جب پڑھایا جائے تو اُس وقت گویا خود مدرس کو صحیح معنوں میں وہ کتاب سمجھ میں آنا شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی تفہیم اور اس کے بعد تسہیلِ تفہیم کا ملکہ پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس وقت تو صورت حال یہ بنی ہوئی ہے کہ دو ایک سال ایک کتاب پڑھا کر ابھی مناسبت قائم ہونا شروع ہوئی ہوتی ہے کہ اس کو کسی نئے فن کی کتاب سے دوستی کرنی پڑ جاتی ہے، اس لیے بجائے اس کے کہ ہر استاذ متنوع فنون سے نبرآزما ہو، ذوق و استعداد کے لحاظ سے مختلف مدرسین کو الگ الگ فنون میں سے گزار کر رسوخ / نبوغ پیدا کرا کر تیار کیا جائے۔ چند سال بھی نہیں گزریں گے کہ انہی نوعمر اساتذہ میں سے، ہر فن کے لیے کہنہ مشق استاذ مہیا ہو چکے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان نگارشات کو قبول کرے، مدارس کو ترقی دے اور اہلِ مدارس کو اپنی رضا کے موافق اپنے کام میں لگائے، آمین۔

و صلی اللّٰہ وسلم علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین

نرم مزاجی کی اہمیت!

مفتی محمد عبداللہ قاسمی
استاذِ فقہ وادب دارالعلوم حیدرآباد، انڈیا

حسنِ اخلاق کامل ایمان کی پہچان ہے، اسلام اور مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے، جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے، اللہ کی رضا وخوش نودی کا جلی عنوان ہے۔ حسنِ اخلاق وہ قیمتی زیور ہے جس سے آراستہ ہونے والے شخص کو آپ ﷺ کا محبوب ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے، اور روزِ محشر اس کو آپ ﷺ سے قریب ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ یہ وہ بیش بہا وصف ہے جس کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے، اور اس کو کمالِ ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ خوش اخلاق اور خوش اطوار انسان خالق ومخلوق ہر دو کی نگاہوں میں محبوب اور منظورِ نظر ہوتا ہے، معاشرے کے افراد کے مابین اس کو مرجعیتِ عام اور مقتدایانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور دوست ودشمن ہر ایک کے لیے وہ مرکزِ محبت وعقیدت ہوتا ہے۔

نرم مزاجی کی اہمیت

اخلاقِ حسنہ اسلام کا وہ گلشنِ سدا بہار ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں عفو و درگزر، حلم وبردباری، ایثار و ہمدردی، عفت و پاکیزگی، جود وسخا، انصاف وعدل پروری اور نرم خوئی ونرم مزاجی کے گلہائے رنگا رنگ ہیں۔ ان کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے، اور دل ودماغ کو فرحت وتازگی بخشتی ہے، اور ایمان ویقین کے خزاں رسیدہ پودوں کو ذوقِ نمو عطا کرتی ہے۔ تحمل وبردباری اور نرم خوئی ونرم مزاجی گلشنِ اخلاق کا وہ گلِ سرسبد ہے جس کی مہک اور جس کا روح پرور اثر اپنے اندر مقناطیسی قوت رکھتا ہے، اور دوسروں پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ وہ تیرِ نیم کش ہے جس سے کشورِ دل زیروزبر ہو جاتے ہیں، اور انسانی افکار وخیالات کی رو تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ وہ جاذبِ نظر اور خوش نما ہتھیار ہے جس سے بغاوت پسند اور سرکش لوگ قابو میں آ جاتے ہیں، اور اپنی زندگی میں صالح اور خوش

گوارا انقلاب لے آتے ہیں۔

سیرتِ رسول اور نرم خوئی

چوں کہ نرم خوئی اور نرم مزاجی بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی وصف ہے، بے شمار فوائد ومنافع کا حامل ہے؛ اسی لیے آپ ﷺ جہاں بہت سے اوصافِ حمیدہ کی مجسم تصویر تھے، وہیں نرم خوئی اور نرم مزاجی بھی آپ ﷺ کا خاص وصف تھا، خود قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس قیمتی وصف کا تذکرہ فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ.‘‘ (آل عمران:۱۵۰)

’’اے پیغمبر! آپ اللہ کی مہربانی سے ان لوگوں کے لیے نرم ہو، ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، لہٰذا اُنہیں معاف کر دیجئے اور ان کے لیے استغفار کیجیے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی آنکھیں آپ ﷺ کی فیضِ صحبت سے منور ہوئیں، اور جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی کو بالکل قریب سے دیکھا، ان کا آپ ﷺ کے بارے میں بیان ہے: آپ ﷺ ہشاش بشاش، خوش اخلاق اور نرم خو تھے، سخت دل تھے نہ تندخو، شوروشغب اور فحش گوئی سے دور تھے، اور عیب جوئی اور بخل سے مجتنب رہتے تھے۔ (الشمائل المحمدیۃ للترمذی، حدیث نمبر:۳۳۴)

نرم خوئی اور نرم مزاجی کا یہ وصف آپ ﷺ کے اخلاقی پیکر کا ایسا جزو لاینفک بن گیا تھا کہ ایسے حالات جن میں انسان سخت اور درشت لہجہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور وقار وسنجیدگی کا دامن اس سے چھوٹ جاتا ہے، آپ ﷺ نے عفو ودرگزر اور نرمی کا ثبوت دیا ہے۔

ایک یہودی کے ساتھ آپ ﷺ کا حسنِ برتاؤ

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک یہودی کی چند اشرفیاں نبی کریم ﷺ پر قرض تھیں، یہودی نے آپ ﷺ سے قرضہ کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی میرے پاس کچھ نہیں ہے جس سے میں تمہارا قرضہ ادا کرسکوں، یہودی نے اصرار کیا، اور کہا کہ جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے، میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو میں تیرے پاس ہی بیٹھا رہوں گا، آپ ﷺ اس یہودی کے پاس بیٹھ گئے، اور اس دن کی نمازیں وہیں ادا کیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ یہودی کے پاس آئے، اور اسے ڈرانے دھمکانے لگے،

آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اس یہودی نے تو آپ کو قیدی بنالیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے روکا ہے، جب وہ دن گزر گیا تو اس یہودی نے اسلام قبول کرلیا، اور اس نے کہا: میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں، میں نے یہ حرکت اس لیے کی تھی کہ میں نے توریت میں آپ ﷺ کے متعلق پڑھا ہے: محمد بن عبداللہ جن کی جائے پیدائش مکہ ہے، اور جو ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئیں گے، نہ وہ سخت دل ہوں گے نہ تندخو، نہ چیخ کر بات کریں گے، ان کی زبان فحش گوئی اور بے ہودہ گوئی سے آلودہ نہیں ہوگی، میں نے اب تمام صفات کا امتحان کرکے آپ کو صحیح پایا؛ اس لیے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ میرا آدھا مال ہے، آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، حدیث نمبر:۴۲۴۲)

ایک دیہاتی کے ساتھ آپ ﷺ کا نرم رویہ

ایک روایت میں ہے: ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا، اور مسجد کے ایک کونہ میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ کرامؓ نے اس کو برا بھلا کہا، اور اس کی طرف دوڑے، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو منع کیا، اور جب وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پیشاب صاف کرنے کا حکم دیا، اور اس دیہاتی کو اپنے قریب بلاکر نہایت نرمی سے سمجھایا کہ مساجد میں پیشاب نہیں کیا جاتا، مساجد میں تو اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور نماز ادا کی جاتی ہے، وہ دیہاتی آپ ﷺ کی نرم مزاجی اور عفو ودرگزر سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کا بیان ہے: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ ﷺ نے نہ مجھ کو ڈانٹا اور نہ ہی برا بھلا کہا۔(ابن ماجہ، حدیث نمبر:۵۲۹)

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص عفو ودرگزر کرتا ہو اور نرم خوئی ونرم مزاجی اس کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی ہو، ایسے شخص کی طرف بے اختیار دل کھنچا چلا جاتا ہے، اور اس سے غیر اختیاری طور پر محبت وعقیدت بڑھتی چلی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک داعیِ دین کے اندر عفو ودرگزر اور تحمل وبردباری کا ہونا بہت ضروری ہے، جب تک دعوت کا کام کرنے والوں کے اندر یہ قیمتی وصف نہیں ہوگا، وہ درست اور بہتر طور پر یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے، خود آپ ﷺ کی اسی نرم خوئی اور نرم مزاجی نے کئی لوگوں کو متاثر کیا، اور ان کو دامن اسلام میں پناہ لینے پر مجبور کیا، اور اس کی بیسیوں مثالیں ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور تحمل وبردباری

ہمارے اسلاف‘ جن کی زندگی آپ ﷺ کی عملی زندگی کا پرتو تھی، اور قندیلِ سیرت سے انہوں نے اپنے اخلاق وکردار کے بام ودر کو روشن ومنور کیا تھا‘ کی عملی زندگی میں بھی یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے صحیح بخاری جیسی شہرۂ آفاق کتاب تحریر کی، اور جس کو ’’أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ‘‘ ہونے کا شرف حاصل ہے، اور مصیبتوں اور پریشانیوں میں جس کی تلاوت کرکے دعائیں مانگی جاتی ہیں‘ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاریؒ بیٹھے ہوئے تھے، اندر سے آپ کی کنیز آئی، اور تیزی سے نکل گئی، پاؤں کی ٹھوکر سے راستہ میں رکھی ہوئی شیشی اُلٹ گئی۔ امام صاحبؒ نے ذرا غصے سے فرمایا: کیسے چلتی ہے؟ کنیز بولی: جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلیں! امام صاحبؒ نے یہ سن کر انتہائی تحمل اور بردباری سے جواب دیا: جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ صیادفی جو امام بخاریؒ کی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا: اس نے تو آپ کو غصہ دلانے والی بات کہی تھی، آپ نے اس کو آزاد کردیا؟ فرمایا: اس نے جو کچھ کہا اور کیا، میں نے اپنی طبیعت کو اسی پر آمادہ کرلیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تحمل مزاجی

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فنِ فقہ میں غیر معمولی مہارت عطا کی تھی، اور ان کے طریقۂ اجتہاد کو پورے عالم اسلام میں جو شہرت اور مقبولیت عطا کی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ ان کے بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ: ایک شخص جس کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے چپقلش اور عداوت تھی، اس نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ راہ چلتے ہوئے خوب برا بھلا کہا، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے صبر وتحمل کے ساتھ سنتے رہے، اور اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا گھر قریب آگیا تو آپؒ نے فرمایا: اب میں اپنے گھر جارہا ہوں، اگر تمہیں اور کچھ کہنا ہے تو میں اسی جگہ ٹھہر جاتا ہوں؛ تاکہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال لو، وہ شخص دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوا، اور آپ کے اس رویہ نے اس کی عداوت ودشمنی کو محبت ودوستی سے بدل دیا۔

خواص کا ملت میں مقام

خواص قوم وملت کا دھڑکتا دل ہوتے ہیں، قوموں کی تعمیر وترقی میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے، قوموں کے عروج واقبال اور شکست وریخت کے بنیادی محرک یہی حضرات ہوتے ہیں۔ تمام شعبہ ہائے حیات میں خواص حضرات قوم وملت کے قائد ورہنما ہوتے ہیں، ملت کی صحیح فکر اور حقیقی معنوں میں ملت کا درد خواص کو ہوتا ہے، ان کے اقوال وافعال اور حرکات وسکنات میں قوم وملت

کے لیے غیر شعوری طور پر دعوت کا پہلو پنہاں ہوتا ہے۔ ان کے اخلاق وعادات، طرزِ معاشرت، بود و باش اور رہن سہن قوم وملت پر غیر محسوس طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر خواص واکابر کے اخلاق وعادات گلشنِ سیرت کے پھولوں سے عطر بیز ہوں تو ان کی خوشبو نکہتِ نسیم کی طرح پورے معاشرے کو معطر اور جانفزا کرتی ہے۔ اسی طرح طبقۂ خواص کے اندر فساد و بگاڑ، اخلاقی انارکی اور پر تکلف، پر تعیُّش طرزِ معاشرت پوری قوم وملت کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

خواص کون ہیں؟

خواص سے مراد وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علوم نبوت کا وارث اور امین بنایا ہے، اور قرآن وحدیث کا ٹھوس اور مضبوط علم عطا کیا ہے، اور جن کے کاندھوں پر اُمت کی رہبری و رہنمائی کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُمت کی دینی قیادت بڑی نازک اور اہم ذمہ داری ہے، اور اس کے لیے خواص اور علماء کو ایک طرف قرآن وحدیث کا ٹھوس علم ہونا اور عصر حاضر کے تقاضوں اور اس کے چیلنجوں سے واقف ہونا ضروری ہے تو دوسری طرف بلند اخلاق و کردار کا حامل ہونا اور صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہونا بھی ناگزیر ہے۔ جس عالم دین کو قرآن وسنت کا مضبوط اور پختہ علم ہو، شریعتِ مطہرہ کے اُصول وجزئیات سے گہری واقفیت ہو؛ لیکن اخلاق و کردار کے لحاظ سے وہ غیر ذمہ دار ہو، اس کے قول وعمل اور خلوت وجلوت میں ہم آہنگی اور یکسانیت نہ ہو، اس کی مثال اس پھول کی طرح ہے جس میں خوشبو نہ ہو، اس ستارے کی طرح ہے جس میں روشنی نہ ہو، اس عندلیب کی طرح ہے جو خوش آواز نہ ہو۔ ایسا عالم ظاہر ہے کہ اُمت کی صحیح قیادت اور ان کی صحیح دینی رہنمائی نہیں کرسکتا، اور اپنے علم سے عوام الناس کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اس لیے علماء اور خواص کو اخلاقِ حسنہ سے متصف ہونا بے حد ضروری ہے۔

خواص میں نرم مزاجی کی ضرورت واہمیت

اہل علم اور خواص کے طبقہ میں نرم مزاجی اور نرم خوئی از حد ضروری ہے۔ سخت لب ولہجہ میں بات کرنا اور کسی بات پر ناراض ہونا اگر تربیت اور اصلاح کے جذبہ سے ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تاہم اگر اس کا منشا محض اپنے غصہ کی تسکین اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنا ہو تو یہ علماء اور خواص کی شان کے خلاف ہے۔ عامی آدمی سے اگر ایسی بات صادر ہو جائے جو خواص کی طبیعت اور مزاج کے خلاف ہو تو فوراً مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ عام طور پر ایک عامی اور جاہل آدمی کا انداز گفتگو عامیانہ ہوتا ہے، اس کو علماء اور خواص کے ساتھ گفتگو کے

آداب معلوم نہیں ہوتے ہیں، اب اگر خواص بھی اس سے الجھ جائیں تو وہ عامی آدمی جو ایک عالم دین سے رجوع ہوا تھا؛ خواہ اس کا مقصد کچھ بھی رہا ہو، دنیوی مقصد ہو یا اخروی، جب عالم اس سے غیر سنجیدہ گفتگو کرے گا، اور اس کی جانب سے ناگوار بات پیش آنے پر درشت اور کرخت لہجہ اختیار کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ عامی آدمی اس سے دور اور نفور ہو جائے گا، اور اس عالم دین سے دوبارہ ملاقات کرنے اور اس کی بافیض صحبت سے فائدہ اٹھانے سے کترائے گا، اس کے برخلاف اگر عالم دین اس کی جانب سے پیش آنے والی خلاف طبیعت بات پر صبر وتحمل سے کام لے، اور اس کی غیر سنجیدہ گفتگو کے جواب میں سنجیدہ اور نرم انداز میں گفتگو کرے تو ایک تو اس کو علماء اور خواص کی جانب سے اچھا اور مثبت پیغام جائے گا، دوسرے علماء اور خواص کا یہ کریمانہ اور شریفانہ برتاؤ اس کو متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑے گا، چناں چہ کیا معلوم کہ وہ اس سے متاثر ہو کر علماء کی ہم نشینی اور خواص کی صحبت کو لازم پکڑ لے، اور اس کی دنیا وآخرت دونوں سنور جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ماہنامہ ’’بینات‘‘ کی خصوصی اشاعتیں

①	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (دورنگہ طباعت)	500/= روپے
②	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	500/= روپے
③	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	400/= روپے
④	حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ	400/= روپے
⑤	حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	350/= روپے
⑥	حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ	100/= روپے
⑦	حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	100/= روپے

حضرت محمد ﷺ بطور منتظم

مولانا عبدالصبور شاکر
پھلور، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

ایک بہترین منتظم کے لیے درج ذیل صفات کا حامل ہونا ضروری ہے:

۱:......راست بازی ۲:......امانت داری ۳:......ایفائے عہد

۴:......عدل وانصاف ۵:......ثابت قدمی ۶:...... پاکیزہ نظریات

۷:......رعایا کے حقوق سے بخوبی واقفیت۔

نبی کریم علیہ السلام ان تمام خوبیوں سے نہ صرف متصف تھے، بلکہ ہر ایک خوبی کے درجۂ اتم تک پہنچے ہوئے تھے۔

اگر چہ مکی زندگی میں آپ ﷺ مشکلات کا شکار رہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں آپ علیہ السلام یہاں ایک بہترین منتظم (Administrator) کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ذیل میں آپ علیہ السلام کے اُس دور کے حسنِ انتظام کی چند ایک جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں:

۱:......آپ ﷺ کی دعوت کے ابتدائی برس، جن میں مسلمانوں کو بہت زیادہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا (جیسے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ وغیرہ)۔ حضور علیہ السلام کی ترغیب سے مخیّر حضرات نے ان حضرات کو ظلم وستم سے نکالنے کی مقدور بھر کوشش کی اور جو غلام تھے، اُنہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ گویا آپ کی نظر پہلے ہی مظلوم اور پسے ہوئے طبقہ پر تھی۔

۲:......دوسرے نمبر پر آپ علیہ السلام نے تالیفِ قلوب کی نیت سے کافر غرباء کو صدقہ وزکوۃ دینے کی ترغیب دی، تاکہ وہ لوگ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

۳:......تیسرے نمبر پر آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا، چنانچہ اس

کے لیے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر بطور مدرسہ تجویز ہوا اور یہاں تعلیم پانے والوں کے ذمے لگا کہ جو لوگ یہاں نہیں آ سکتے، اُنہیں گھر جا کر دینِ اسلام کی تعلیم دو۔ آپ ﷺ کے انہی شاگردوں کی کوششوں سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

۴:...... مسلمانوں کی لاچاری کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو وطن چھوڑنے کی ترغیب دی کہ شاید باہر جا کر حالات اُنہیں راس آ جائیں اور وہ لوگ کفار کے نرغے سے نکل کر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں، چنانچہ آپ ﷺ کی ترغیب پر نبوت کے پانچویں سال رجب میں بارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ اس طرح انہیں کفار کے ظلم وستم سے نجات ملی اور جو لوگ حبشہ نہیں جا سکے تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ اُن کے لیے فوری طور پر ایک ایسے ٹھکانے کی ضرورت تھی، جہاں وہ آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکیں، اس کے لیے آپ ﷺ نے اہل طائف سے مدد لینے کا سوچا، لیکن یہ ابدی سعادت اہلِ مدینہ منورہ کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔

نبوت کے دسویں برس دو مدنی سرداروں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اہلِ ایمان کے لیے خوشگوار ہوا کا جھونکا ثابت ہوا۔ اہلِ مدینہ کے اصرار پر رسول اللہ ﷺ نے دو سال بعد مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا اور تیرہویں برس خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یوں اسلام اور مسلمانوں کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہوتی گئی، لیکن اس ترقی کے پیچھے ہمیں کوئی ایسا دماغ نظر آتا ہے جس کے حسنِ تدبیر نے ایسی کایا پلٹی کہ عربوں کا اوڑھنا بچھونا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، امن و جنگ حتیٰ کہ سوچنے و بولنے کے انداز تک تبدیل ہو گئے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں ۸۶ر کے قریب قبائل آباد تھے، جن تک اسلام کی دعوت پہنچانا آپ ﷺ کا اولین مطمحِ نظر تھا، لیکن اس کے لیے سب سے پہلے کچھ ایسا کرنا ضروری تھا جو ان حضرات کو اسلام کی جانب راغب کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

مدینہ منورہ آنے کے فوراً بعد آپ ﷺ نے شہر کے آس پاس آباد قبائل سے معاہدہ کرنا اور ان میں صلح کروانا ضروری سمجھا، چنانچہ اوس، خزرج اور یہود کو اکٹھا کر کے ایک میثاق لکھا گیا جس کا بنیادی مقصد، امن اور امدادِ باہمی تھا۔ نیز ایک دستور کی بنیاد رکھی جس کی ۴۷ر دفعات تھیں۔ ان دفعات پر عمل کروانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، لیکن آپ ﷺ نے یہ مشکل قلعہ بھی مسخر کر لیا۔ عرب کے بدوؤں کو قانون کا پابند بنانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک بہترین طرزِ عمل اختیار کیا اور وہ تھا شخصیت کی تعمیر، کیونکہ جب تک معاشرے کے افراد متحد اور نیک سیرت نہ ہوں، اس وقت تک نہ تو کوئی

قانون پر وان چڑھ سکتا ہے اور نہ ہی امن قائم ہوسکتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے فرد کی شخصیت وکردار کی تعمیر کی طرف توجہ دی، چنانچہ بیعت لیتے وقت پاکیزگی ونیک سیرتی کا وعدہ ضرور لیتے۔ نیز آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین اُخوت کا رشتہ قائم کیا، جس سے نہ صرف ان کے مابین محبتیں بڑھیں، بلکہ ان کی معیشت بھی اُستوار ہوئی۔

وہ لوگ جنہیں لڑائی جھگڑے، عشق لڑانے اور شعر وشاعری کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا، تہذیب سے شناسا ہوگئے۔ جانی دشمن ایثار ومحبت کے پیکر بن گئے۔ جاہل اوران پڑھ لوگوں میں علم کی شمعیں روشن ہوگئیں۔ ہردم بتوں کا دم بھرنے والے توحید کے متوالے ہوگئے۔ لاقانونیت کے عادی لوگوں کی قانون دانی پر زمانہ رشک کرنے لگا۔ متکبر مزاج، عاجزی وانکساری کے پیکر بن گئے اور اونٹوں کے چرواہے بادشاہی کے گُر سکھانے لگے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دفاعی طور پر غیر مضبوط ریاستوں کی ترقی کی رفتار نہایت کم ہوتی ہے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کی طرف خصوصی توجہ دی اور ایسی جنگی پالیسیاں اختیار کیں کہ دشمن کو ہرمرتبہ منہ کی کھانی پڑی، مثلاً بدر واُحد میں شہر سے باہر اور جنگ احزاب میں شہر کے اندر رہ کر اس انداز سے جنگیں لڑیں کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ نیز معلومات فراہم کرنے کا نظام اور دشمن میں پھوٹ ڈلوانے کا وہ نظام اختیار کیا کہ آج بھی بڑے بڑے سپہ سالار اس پر حیران نظر آتے ہیں۔

بطورِ سپہ سالار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر کمان ۸۸؍ کے قریب جنگیں لڑی گئیں۔ یہ آپ ﷺ کے حسنِ انتظام کے ہی کرشمے ہیں کہ ان اَٹھاسی جنگوں میں مسلمانوں کا اتنا کم نقصان ہوا کہ عقل تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتی، یعنی کل ۲۵۹ مسلمان اور ۱۰۱۸ کفار قتل ہوئے، جبکہ ۶۵۶۴ کفار قیدی بنائے گئے۔ اس کے بالمقابل جدید مغربیت کی خشتِ اول یعنی جنگِ عظیم اول کو ہی دیکھ لیا جائے تو اس میں ایک کروڑ لوگ قتل ہوئے۔

معیشت وتجارت کسی بھی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ عوام جتنی خوشحال ہوگی، اتنی ہی آزادی سے اپنے مذہب وروایات اور تہذیب وثقافت پر عمل کر سکے گی۔ ذیل میں رسول اللہ ﷺ کے دور کی معیشت وتجارت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ کسی بھی ریاست کے حصولِ دولت کے درج ذیل ذرائع ہوتے ہیں: مالِ غنیمت، خراج، جزیہ، فَے، تجارت، کاشت کاری، محصول، عطیات اور صدقات وزکوٰۃ، وغیرہ۔

آپ ﷺ نے نہ تو کسی پر ناجائز ٹیکس لگایا اور نہ ہی امراء کی دولت چھین چھین کر غرباء میں تقسیم کی، گویا نہ تو سرمایہ دارانہ نظام قائم کیا اور نہ ہی سوشلزم، بلکہ ایسا نظام مرتب کیا جس سے نہ صرف یہ کہ

طبقۂ غرباء کی تالیفِ قلب ہوئی، وہیں طبقۂ امراء کو بھی ریلیف ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات اور عشر کا تصور دیا اور پھر اس نظام کو اس ترتیب سے منظّم کیا کہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے بھی ایک شرح مقرر کردی اور لینے والے کے لیے بھی۔ مالِ غنیمت میں ہر مسلمان کو حصہ دار بنایا اور جزیہ وخراج اور مالِ فے ریاست کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔ نیز تجارتی مسائل کے حل کے لیے بازار کے نگران مقرر کیے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات یا قبیلے کے لیے کسی قسم کی کوئی جائیداد بنانا تو درکنار ایک ٹکڑا زمین بھی ترکہ میں نہیں چھوڑا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے جو چند دنوں کی بادشاہی ملنے کے بعد کئی نسلوں تک اپنی اولاد کو کمانے سے بے نیاز کردیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری یا شاہانہ نظام کی بجائے شورائی نظام کو پسند فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری نظم ونسق کو دو حصوں میں تقسیم کیا: مرکزی اور صوبائی نظم ونسق۔

مرکز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بطور والیِ ریاست متمکن تھے، لیکن جب کبھی سفر کی ضرورت درپیش ہوتی تو اپنا کوئی نہ کوئی نائب مقرر کرکے جاتے، جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین (سیکرٹریوں) کی تعداد برہان حلبیؒ کے مطابق ۴۲ ہے۔ اور سفراء کی تعداد ۳۸، کمشنروں کی ۱۴، اور شعراء کی تعداد سینکڑوں میں ہے، جن میں سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن زہیرؓ کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلامی ریاست شمال کی جانب زیادہ بڑھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی یا قدرتی امر کہ اسی طرف روم وایران کی حکومتیں تھیں۔ اس میں ازد، یمن، حضرموت اور ہمدان جیسے صوبے تھے، جن پر مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ۳۸ کے قریب گورنر متعین تھے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے وسیع اختیارات عطا فرما رکھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناتے وقت نصیحت فرمائی کہ: ''فیصلہ کرتے وقت قرآن وسنت اور اپنے اجتہاد کو مدنظر رکھنا۔''

اس کے ساتھ ساتھ صوبہ میں ۲۵ کے قریب مقامی منتظمین اور ۱۲ عدد نقیب (خاندانی سربراہ) اور ۸ عدد قاضی متعین فرمائے، جو فیصلے کرنے میں پوری طرح آزاد تھے۔

نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مذہبی اصلاحات بھی ضروری تھیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو بطور معلم مقرر کر رکھا تھا، جن میں مفتی، ائمہ مساجد، مؤذنین بھی تھے اور امورِ حج کے لیے عتاب بن اسید، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

آپ ﷺ نے جرائم کے خاتمے کے لیے عوام وعمال دونوں کے لیے اصول وضع فرمائے، چنانچہ عوام سے فرمایا: ''تم اپنے عاملوں کو عمل سے راضی رکھو، کیونکہ عادل امام کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا سایہ نصیب ہوگا۔'' جبکہ عمال سے فرمایا کہ: ''مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ ان کی دعا اور قبولیت میں کوئی چیز حارج نہیں ہوتی۔''

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم کی سطح حیرت انگیز حد تک کم ہوگئی، چنانچہ آپ ﷺ کے دورِ حکومت میں قصاص کے محض ۲۷ واقعات رونما ہوئے۔ حدود کے ۱۸، قذف ۲، لعان ۷، ظہار ۲، شراب ۸، چوری کے ۱۵ اور طلاق کے صرف دس واقعات پیش آئے۔

آپ ﷺ نے اپنے متبعین کے لیے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک جامع مانع خطبہ ارشاد فرمایا، جو آج سے ایک ہزار چار سو اٹھائیس سال پہلے کی طرح آج بھی مشعل راہ ہے۔

آپ ﷺ جانتے تھے کہ اجتماعی زندگی کی بنیادیں تین ہیں: ۱:...... جان، ۲:...... مال اور ۳:...... عزت، ان کا پاس کرنا جھگڑے مٹا سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں...... لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی عزت وحرمت کی مستحق ہیں جس طرح تم آج کے دن (یوم حج)، اس مہینے (ذوالحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔''

آپ ﷺ کے اسی حسنِ انتظام کو دیکھ کر مغربی مفکرین ومستشرقین دم بخود ہو کر داد دینے پر مجبور ہیں، چنانچہ موسیو اوجیل کلوفل کہتا ہے:

''جب ہم اس پر غور کرتے ہیں، جس میں پیغمبر اسلام (ﷺ) نے اپنی نبوت ورسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعۂ قوانین تیار کیا گیا ہے جو دنیا کی ملکی، مذہبی اور تمدنی ہدایتوں کے لیے کافی ہے، تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قائم کیا گیا ہے۔ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعۂ قوانین ہے جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔''

جارج برناڈ شا لکھتا ہے:

''موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد ﷺ اس دنیا کے ڈکٹیٹر (راہنما) بنیں۔''

ریمنڈ لیروگ لکھتا ہے کہ:

’’نبی عربی (ﷺ) اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں، جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو رائج نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اُخوت تھی۔‘‘

بانیِ انقلاب فرانس روسو لکھتا ہے:

’’حضرت محمد (ﷺ) ایک صحیح دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی مدبر تھے، انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا وہ نہایت شاندار تھا۔‘‘

ہمارے نبی ﷺ اس قابل ہیں کہ دنیا ان کے پیغام کو سمجھے اور ان کے دیے ہوئے نظام کو قبول کرے، تاکہ ملکوں میں پھیلا فساد اپنی موت آپ مرجائے۔ آج دنیا اس نظام کی اسی طرح پیاسی ہے، جیسے آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل تھی۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مفسرِ قرآن و خادم العلماء

محمد اعجاز مصطفیٰ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے شاگرد رشید، فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر کے رکن، جمعیت علماء اسلام آزاد کشمیر کے امیر، حضرت مولانا محمد یوسف خان کے ماموں، مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنیؒ اس دنیائے رنگ و بو کی ۸۰ بہاریں دیکھ کر راہیِ آخرت ہوگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شیئ عندہٗ بأجل مسمی۔

آپ کا تعلق آزاد کشمیر قصبہ سدھنوتی سے تھا، ابتدائی تعلیم دار العلوم تعلیم القرآن پلندری میں حاصل کی، اس کے بعد کچھ عرصہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں زیرِتعلیم رہے، اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لائے۔ یہاں سے دورہ حدیث کا فاتحہ فراغ پڑھنے کے بعد مدینہ یونیورسٹی سعودی عرب تشریف لے گئے، جہاں آپ نے ۱۹۷۲ء میں لیسانس مکمل کیا۔ سعودی حکومت کی جانب سے ورلڈ اسلامک مشن کے رکن نامزد کیے گئے اور ۳۰ سال تک دوبئ میں سعودی مرکز الدعوۃ والارشاد سے وابستہ رہ کر قرآن وحدیث کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنائے رکھا۔ آپ کی ساری زندگی تبلیغ دین اور تعلیماتِ قرآن میں گزری۔ حضرت مولانا موصوفؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک نہ صرف یہ کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اصلاح ودعوت کو اپنا دینی فریضہ سمجھا، بلکہ ان تمام اُمور میں عظیم خدمات بھی انجام دیں۔ آپ کے دوست اور رفیق کار جناب عبد المتین منیری بھٹکلی زید مجدہٗ دوبئ میں بیتے گئے ایام کی سرگزشت لکھتے ہیں کہ:

''جب ۱۹۷۹ء میں اس ناچیز کا ذریعۂ معاش قدرت میں لکھ دیا گیا تو مولانا کو اس وقت دبئی آئے ہوئے چند ہی سال گزرے تھے، وہ ابھی جوان تھے۔ اس وقت مولانا یہاں پر دیوبندی مکتبِ فکر کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے تھے۔ آپ کی تفسیر قرآن کے درس الغریر مسجد سبخہ، اور الجامع الکبیر بر دبی میں ہوا کرتے تھے۔ دبئی میں اس وقت جو بھی پاکستان سے علماء آتے عموماً وہ آپ ہی کے مہمان ہوتے، ان کی تقاریر کے شیڈول بھی آپ ہی متعین کرتے۔ ہمارا آفس بھی پورٹ سعید میں آپ کے آفس سے قریب ہی تھا، یہ آپ کی رہائش گاہ بھی تھا۔ ان دنوں ہندوستان سے اکابر آتے تو عموماً ان کی تقاریر کا نظم اس ناچیز کے پاس ہوتا۔ بڑے اچھے دن تھے، سرکاری پیچیدگاں وغیرہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس وقت کے مدیر اوقاف شیخ عبدالجبار محمد الماجد مرحوم اور پھر ڈاکٹر عیسی المانع الحمیری کے دور میں فوراً اجازت نامے مل جاتے۔ گزشتہ صدی کے اسی اور نوے کی دہائی میں اکابرین کی بڑی تعداد بقید حیات تھی، اس زمانے میں بڑے یادگار پروگرام رکھنے کا موقع نصیب ہوا۔

ہمارے دبئی میں قدم رکھنے کے دوسرے تیسرے روز شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان علیہ الرحمۃ نے جامع کبیر بر دبی کے ممبر پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے بعد کئی ایک اکابر مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا عبدالمجید ندیم شاہ، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا منظور احمد چینوٹی، مولانا حسن جان، ڈاکٹر شیر علی شاہ علیہم الرحمۃ وغیرہ اس زمانے کے تقریباً سبھی اکابر پاکستان سے تشریف لاتے تو مولانا کی مجلس میں ان حضرات کے ساتھ بیٹھنا اور تبادلۂ خیال کرنا نصیب ہوتا۔ ان کے تجربات اور مشاہدات نے دلوں کو روشنی بخشی۔ یہ مجالس زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔

اس زمانے میں ہندوستان سے جو اکابر آتے جن میں خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد انظر شاہ کشمیری، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا سید ابرار الحق ہردوئی علیہم الرحمۃ وغیرہ اکابر شامل ہیں۔ ان کے پروگرام کا شیڈول عموماً اس ناچیز کے پاس ہوتا، اس سلسلے میں آپ ہمیشہ ربط میں رہتے۔ اب یہ سب ماضی کا قصہ ہے، ان کی صرف یادیں رہ گئی ہیں۔

شاید اس سلسلے کا آخری پروگرام ۸/اپریل ۱۹۹۵ء کو مرکزِ تبلیغ قصیص میں ہوا تھا، اس میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا یعقوب اسماعیل منشی وغیرہ نے ملت کے مسائل اور ان کے علاج کے موضوع پر اظہار خیال کیا تھا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب بنیادی طور پر دعوت و اصلاح اور درس و تدریس کے آدمی تھے۔

اپنے وقت کی قدر کرنے والے، دبئی میں آپ نے دو سے زیادہ مرتبہ تفسیر قرآن کا دور پورا کیا۔ اور ایک نہیں تین تفسیریں لکھیں، جو ایک کارنامہ ہے۔ مولانا کا ذہنی لگاؤ جمعیت علماء کی طرف تھا، لیکن وہ عملاً سیاسی آدمی نہیں تھے۔ وہ سبھی علماء کی قدر کرتے تھے اور ان سے ملنا، بیٹھ کر بات کرنا پسند کرتے تھے۔ انہوں نے تفسیر کے علاوہ کئی ایک کتابیں بھی لکھیں۔ سن اَسّی کی دہائی میں اپنا ذاتی سرمایہ لگا کر مولانا آزاد کے مجلّہ ''الہلال'' کی پوری فائلیں اعلیٰ طباعتی معیار پر شائع کیں، جو اس زمانے میں بہت بڑی بات تھی۔ کوئی پندرہ سال قبل مرکز کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہو چکے تھے، لیکن چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت دبئی میں گزرتا تھا اور ان کے عقیدت مند یہیں ہی زیادہ تر پائے جاتے تھے تو ان سے ملاقات کے لیے آپ تشریف لاتے۔ گٹھیا اور شوگر کی بیماری نے آپ کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا، بالآخر وہ گھڑی آ ہی گئی، جس سے کسی کو مفر نہیں، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔''

حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جب بھی تفسیر قرآن کی کوئی جلد چھپتی تو اپنی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ماہنامہ ''بینات'' میں تبصرہ کے لیے ضرور بھیجتے۔ ایک بار ''**عمدة البيان في تفسير القرآن**'' المعروف ''**تفسير المدني**'' حصہ اول بھیجی تو حضرت شہید ناموس رسالت حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری قدس سرہٗ نے اس پر یوں تبصرہ کیا:

> ''حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی دامت برکاتہم کی علمی شخصیت اہل علم حلقے میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ ایک عرصے سے دبئی میں قیام پذیر ہیں۔ آپ کا حلقۂ درسِ قرآن بھی کافی شہرت رکھتا ہے۔ آپ نے ایک عرصے سے اپنے آپ کو درسِ تفسیرِ قرآن کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ آپ اپنی مساعی میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں، پیشِ نظر تفسیر ''**عمدة البيان**'' کی جلد اول- جو سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک کی تفسیر پر مشتمل ہے- کی شکل میں اس کا خوب صورت نتیجہ اور ثمرہ حاضرِ خدمت ہے۔ موصوف کا تفسیری انداز بلاشبہ اکابر دیوبند کی طرز پر تحقیقی ہے۔ کتاب کا ایک ایک حرف اور ایک ایک بحث قابل قدر اور لائق رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عوام وخواص کے لیے نفع بخش بنائے اور مولانا کی ترقیِ درجات اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائے، آمین! اس تفسیر کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، کیونکہ: مشک آنست کہ خود ببوید!'' (ماہنامہ ''بینات''، رمضان ۱۴۲۷ھ- اکتوبر ۲۰۰۶ء)

اس کے بعد آپ کی تصنیف ''**زبدة البيان في تفسير القرآن**'' المعروف ''**تفسير المدني الصغير**'' چھپی تو وہ بھی تبصرہ کے لیے بھیجی تو حضرتؒ نے تمہیدی فوائد لکھنے کے بعد لکھا:

’’پیشِ نظر تفسیر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ایسے بندے کو مامور ومنتخب فرمایا جو اصلاً کشمیر کی سنگلاخ وادی سے تعلق رکھتا تھا، اس کی تعلیم وتربیت پاکستان میں ہوئی، مگر اُسے ترجمہ وتفسیر کی خدمت کے لیے عرب امارات کی ایک ریاست دبئی میں بٹھا دیا گیا۔ بلا شبہ حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی حفظہ اللہ کی یہ خدمت جہاں دین کی خدمت ہے، وہاں قرآن کریم اور فنِ تفسیر کی بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ ہمارے خیال میں اس عام فہم تفسیر کی برکت سے ادنیٰ پڑھا لکھا مسلمان بھی قرآنی تعلیمات سے آگاہ اور روشناس ہو سکے گا۔ اس دور میں جب کہ بے دین ومستشرقین عناصر نے اپنی تحریفات کا رخ قرآن کریم کی طرف پھیر لیا ہے، حضرت مولانا دامت وبرکاتہم کی تفسیر ان کے مقابلے میں بہترین راہ نما ثابت ہوگی۔ بلا شبہ اختصار وجامعیت اور سلاست وروانی کے اعتبار سے یہ بے حد مفید ہے۔ اس سے جہاں علماء، طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں، وہاں عوام اور کم پڑھے لوگ بھی اس سے برابر کے مستفید ہوں گے۔ امید ہے اہلِ ذوق اس گراں قدر علمی خدمت کی بھرپور قدر افزائی کریں گے۔‘‘ (ماہنامہ ’’بینات‘‘ محرم ۱۴۲۸ھ-فروری ۲۰۰۷ء)

ابھی چند ماہ پہلے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید قدس سرہٗ کی اشاعتِ خاص کے مضامین کے سلسلے میں حضرت شہیدؒ کے فرزندار جمند مولوی فارس حبیب اور مولوی حارث حبیب ان سے ملنے کے لیے گئے تو حضرت موصوف نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔ راقم الحروف کے بارہ میں بھی دریافت فرمایا، بلکہ ایک باراُن کے فون سے مجھ سے گفتگو بھی فرمائی، ڈھیروں دعائیں دے رہے تھے اور فرمایا کہ کبھی اسلام آباد آنا ہو تو ضرور ملاقات کیجئے گا۔ آپ نے حضرت ڈاکٹر مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے بارہ میں ایک مضمون بھی تحریر فرما کر بھیجا جو ماشاءاللہ! اشاعت خاص کی زینت بنے گا۔

آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے دیرینہ ساتھی حضرت مولانا محمد یاسین دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں آزاد کشمیر کے تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے راہنماؤں کے علاوہ علاقہ ممبر کے تمام معززین اور علماء وطلباء کا ایک جم غفیر تھا۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں ۵ بیٹے، ۳ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کروٹ کروٹ آپ کو راحتیں نصیب فرمائے۔ آپ کے پسماندگان، متعلقین اور اعزہ اقارب کو صبرِ جمیل کی توفیق سے نوازے۔ باتوفیق قارئین ’’بینات‘‘ سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

شوقِ علم اور صبر و ہمت کی تصویرِ مجسّم

متعلمِ جامعہ ’’عبداللہ عرفان رحمۃ اللہ علیہ‘‘

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

سن ۱۴۳۸ھ-۱۴۳۹ھ کا تعلیمی سال شروع ہوا تو ہر سال کی طرح اس برس بھی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ درسِ نظامی کے دیگر درجات سمیت، درجہ اولیٰ میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا، ان میں ایک طالب علم عمامے اور سفید لباس میں ملبوس، نمازوں میں صفِ اول کے اہتمام اور باادب انداز کی بنا پر نمایاں دکھائی دینے لگا اور اساتذۂ جامعہ کی مجلسوں میں بھی اس کا ذکرِ خیر آنے لگا۔ معلوم ہوا کہ اُسے اپنے رفقائے درس کی خیرخواہی کا جذبہ بھی حاصل ہے۔ اس نے ازخود اساتذہ کو اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے درس گاہ کے کمزور طلبہ کو اسباق یاد کرانے اور اُنہیں تکرار کرانے کی ذمہ داری لے لی۔ ایک استاذ حج کے سفر پر تھے تو فون پر ان سے اپنے بعض رفقاء کے لیے دعاؤں کی درخواست کی جن کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ذہین طلبہ میں ساتھیوں کی خیرخواہی کے جذبات اساتذہ کو بہت بھلے لگتے ہیں۔ شب میں تکرار و مطالعے کے دوران کبھی کبھار کوئی بات پوچھنے بھی آجاتا۔ ماہِ صفر میں سہ ماہی امتحان کا نتیجہ آیا تو وہی طالب علم اپنے فریق میں سوم پوزیشن کا حق دار ٹھہرا۔ پڑھنے لکھنے کے ذوق کے ساتھ، مدرسے کے ماحول میں ادب آداب برتنے اور نیکی کا مزاج رکھنے والے طلبہ اساتذہ کی نگاہوں میں ہوا کرتے ہیں۔ انہی خوبیوں کی بنا پر مختصر تعلیمی دورانیے میں ہی اساتذہ کے دلوں میں جگہ بنانے والا یہ ہونہار طالب علم ’’عبداللہ عرفان‘‘ تھا۔

شب و روز یونہی گزرتے جاتے تھے، ایک روز خبر ملی کہ عبداللہ بیمار ہے تو خیال ہوا کہ معمول کا مرض ہوگا، اور دو چار روز میں وہ صحت یاب ہوکر دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کرلے گا، لیکن چند روز بعد یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ کو ’’بلڈ کینسر‘‘ کا مرض تشخیص ہوا ہے، اور وہ شہر کے ایک معروف ہسپتال میں داخل ہے۔ تب پہلی بار دل دھک کر رہ گیا، عیادت کے لیے اس کے پاس جانا ہوا تو مرض کے پورے

ادراک کے باوجود عبداللہ کی ہمت وحوصلہ بہت بلند نظر آیا۔ اسے یہی دھن تھی کہ میرے اسباق ضائع ہورہے ہیں، مجھے جامعہ جانا ہے۔تسلی دی جاتی کہ صحت مقدم ہے، طبیعت کچھ سنبھل جائے تو ان شاء اللہ! جامعہ جانا شروع ہوجائے گا، لیکن اُسے قرار نہ آتا۔ ہسپتال میں بھی نصابی کتابیں اس کے سرہانے رکھی دکھائی دیتیں، اور روز کے اگلے اسباق کی بھی اسے پوری خبر ہوتی۔ اساتذۂ جامعہ عیادت کے لیے جاتے تو اس کی یہی تکرار ہوتی، اور اہلِ خانہ کے سامنے بھی یہی رٹ ہوتی کہ مجھے چھٹی دلائی جائے، میرے اسباق کا نقصان ہورہا ہے اور مرض کی نزاکت کی بنا پر معالجین اس کی اجازت نہیں دے سکتے تھے، لیکن اس حالت میں عبداللہ کا یہ شوقِ علم، علم کے تنزل کے اس دور میں عیادت کے لیے آنے والوں کے لیے سبق آموز تھا۔

حصولِ علم کے شوق وذوق کے ساتھ بلڈ کینسر جیسے تکلیف دہ مرض میں اس کا صبر وشکر بھی دیدنی تھا، جب کبھی جانا ہوا تو وہ سراپا صبر نظر آیا، اور اللہ تعالیٰ کی دیگر اَن گنت نعمتوں پر شکر گزار دکھائی دیا۔ بلاشبہ اس کے پاس بیتے چند لمحات میں اس کے ایمان افروز جملے سن کر پتھر دل بھی بدلتا محسوس ہوتا تھا۔ اساتذہ جاتے تو ان سے اسباق یا جامعہ واساتذۂ جامعہ کے حوالے سے گفتگو ہوتی یا کوئی دینی مسئلہ چھیڑ دیتا، اور اس کے متعلق رہنمائی طلب کرتا۔ بعض اوقات اس کے پوچھے گئے دقیق سوالات سن کر اس کے دینی جذبے پر بے حد رشک آتا۔ مرض کے اس دورانیے میں اس کے تنہائی کے فارغ اوقات، قرآنِ کریم کی تلاوت سننے میں بسر ہوتے۔ دورانِ علالت مسلسل نو ماہ اس صالح نوجوان نے اسی طرح قابلِ رشک حالت میں گزارے، اور یوں وہ ہمت وحوصلے اور صبر واستقلال کی ایک مثال چھوڑ گیا۔

اس دوران اپریل کے آخری ایام میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا ہے، اور خود عبداللہ کے علم میں بھی یہ بات لائی جاچکی ہے۔ اس روز عیادت کے لیے جاتے ہوئے دل ودماغ اُلجھ کر رہ گئے تھے اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ آج اُسے کیونکر اور کن باتوں سے تسلی دی جاسکے گی؟! لیکن وہاں تو معاملہ ہی اور تھا، بندہ کے کچھ کہنے سے قبل وہ خود گویا ہوا: ''استاذ جی! جب شروع میں مجھے ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ تم ٹھیک ہوجاؤ گے تب بھی مجھے ان کی بات کا یقین نہ تھا، اور اب انہوں نے لاعلاج قرار دیا ہے تو اب بھی مجھے ان کی باتوں پر یقین نہیں، میں عمرے پر جاؤں گا، میرا اللہ مجھے ٹھیک کردے گا۔'' عزم وہمت پر مشتمل یہ بلند وبانگ جملے سن کر دل پگھل کر رہ گیا اور اس کے اس ایمانی جذبے کو دیکھ کر دروں میں بے حد شرمندگی محسوس ہوئی کہ کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل! پھر وہ سفرِ عمرہ پر روانہ ہوا، چند روز مدینہ طیبہ -علی صاحبہا آلاف آلاف تحیات وتسلیمات- میں رہنے کے بعد طبیعت بگڑتی محسوس ہوئی تو عمرے کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستے میں فون پر رابطہ ہوا، بتانے لگا:

''عمرے کے لیے جارہا ہوں، میری طبیعت خراب ہے، دعا کیجیے گا۔'' عرض کیا کہ: ضرور! لیکن تم تو خود دعاؤں کی قبولیت کے مقامات میں ہو، ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔ عمرے کی ادائیگی کے بعد طبیعت تشویش ناک حالت تک بگڑ گئی اور مکہ مکرمہ کے ایک ہسپتال میں داخل کرنا پڑا، حالت کچھ بہتر ہوئی تو پاکستان لاکر دوبارہ مقامی ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ہسپتال اور گھر کا یہ آنا جانا اس پورے عرصے میں لگا رہا۔ اہلِ خانہ نے بھی علاج معالجے اور تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن جسم میں مرض کے اثرات دن بدن گہرے ہوتے جارہے تھے۔

شوال میں جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا تو اس پورے عرصے میں شدید تکالیف کو سہہ جانے والا بلند ہمت عبداللہ سال کے پہلے تعلیمی دن پھوٹ پھوٹ کر رودیا کہ میری پڑھائی ضائع ہورہی ہے، مجھے جامعہ جانا ہے۔ ادھر مرض اور جسمانی حالت اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اہلِ خانہ مرض کی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے اس مطالبے پر پریشان تھے، لیکن آخر اس کی دیرینہ خواہش کے سامنے معالجین نے گھٹنے ٹیک دیئے اور وہ روزانہ ایک دو گھنٹے جامعہ آکر اسباق میں شریک ہونے لگا۔ جسمانی کمزوری کی بنا پر زیادہ دیر تک بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، یہ سلسلہ بھی کچھ روز ہی چل پایا، پھر مرض کے اثرات بڑھتے گئے تو وہ گھر اور ہسپتال ہی آتا جاتا رہا۔

اس دوران موسمِ حج قریب آیا تو عبداللہ نے سفرِ حج پر جانے کی ضد شروع کردی، جو اس نازک مرض میں ناممکن نہ سہی، انتہائی دشوار ضرور تھی، اس لیے معالجین کی جانب سے بجا طور پر سفر کی اجازت نہ ملی، لیکن چار ذوالحجہ کو اسے ہسپتال سے گھر جانے کی رخصت حاصل ہوئی تو وہ بائیومیٹرک (جو سعودی حکومت کے نئے قانون کے مطابق سفرِ حج پر جانے کی خاطر ضروری ہے) کے لیے پہنچ گیا، اور اپنے طور پر ویزہ حاصل کرنے کی کوششیں بھی شروع کردیں، مرض کی تشویش ناک نوعیت کے ادراک کے باوجود حرمین شریفین - اللہ تعالیٰ ہر نوع کے شرور وفتن سے ان کی حفاظت فرمائے - کا اس قدر اشتیاق بھی حیرت انگیز تھا، وہ اس کم عمری میں کئی بار حرمین کی معطر ومنور فضاؤں سے مستفید ہوچکا تھا، اور یہ شوق ہی تھا جس نے اسے مرض کی نزاکت سے بے پرواہ بناڈالا تھا، لیکن ان آخری ایام میں ویزہ ملنا تھا نہ ملا، اور ادھر عیدالاضحیٰ کے دوسرے روز ہی اسے دوبارہ ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، یوں پھر گردشِ ایام چل پڑی، اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی! آخر وہ دن آگیا جب عبداللہ نے سفرِ آخرت پر روانہ ہونا تھا، چند روز پہلے ہی گلے میں انفیکشن شروع ہوا تھا، جس سے خورد ونوش میں تکلیف ہونے لگی، ایک روز قبل طبیعت زیادہ بگڑی اور اگلے ہی دن وہ اس فانی دنیا اور اس کے باسیوں سے منہ موڑ کر اپنی منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوگیا۔ ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو اس دنیا میں آنکھ کھولنے والا عبداللہ

اپنی حیاتِ مستعار کی پوری سترہ بہاریں دیکھ پایا، اور یکم محرم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲ستمبر ۲۰۱۸ء بروزِ بدھ کی شام غروبِ آفتاب کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی زندگی کا چراغ گُل ہوا، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون!

اگلے روز جب جامع مسجد بنوری ٹاؤن میں جنازہ پہنچا تو ابھی جامعہ کا تعلیمی وقت شروع ہونے میں چند منٹ باقی تھے، عبداللہ کے والد، استاذِ محترم مولانا امداد اللہ صاحب سے کہنے لگے: ’’دیکھیے مولانا! میرا بیٹا آج بھی وقت پر جامعہ پہنچا ہے۔‘‘ صبح سوا آٹھ بجے مجسّم صبر عبداللہ کے باہمت والد بھائی عرفان ہارون نے ہزاروں علماء، طلبہ اور دین واہلِ دین سے محبت وتعلق رکھنے والوں کی موجودگی میں اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور طارق روڈ پر واقع شہر کے قدیم شہرِ خموشاں میں اسے سپردِ خاک کیا گیا۔

یوں تو اس دنیا میں سبھی جانے کے لیے ہی آئے ہیں، لیکن بعض لوگوں کا جانا سینکڑوں ہزاروں دلوں کو مغموم کرجاتا ہے۔ ہماری جامعہ کے عزیز طالبِ علم عبداللہ عرفان رحمہ اللہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہے، وہ اس دنیائے علم ونور سے چار ماہ کا نہایت قلیل عرصہ ہی فیض یاب ہوسکا، لیکن ایمان وتوکل، ہمت وحوصلے، حصولِ علم کے شوق وذوق، اساتذہ کے ادب واحترام، رفقائے درس کی خیرخواہی اور حرمین شریفین سے عشق ومحبت جیسے تابناک عنوانات سے مزین زندگی کی صورت میں خاص طور پر اپنے ہم عمروں، ہم جولیوں اور طلبۂ علم کے لیے ایک مثال پیش کرگیا۔ بلاشبہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی موت، زندگیوں میں تبدیلی کا باعث بنے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد اس کے اہلِ خانہ سے تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ زمانۂ علالت میں اس کے صبر وہمت اور اس فانی زندگی کے خوب صورت اختتام پر سبھی رشک کناں تھے۔ بندہ کی موجودگی میں ایک بزرگ عالم تعزیت کے لیے تشریف لائے اور اہلِ خاندان کو اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کے ختمات کی ترغیب دی، تو اسی مجلس میں خاندان کے حفاظ اور دیگر اعزاء نے سو قرآنِ کریم اپنے ذمے لے لیے۔ دورانِ مرض پورے عرصے میں اہلِ خانہ نے اس کی خدمت اور تیمارداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خصوصاً عبداللہ کے والد محترم بھائی عرفان ہارون نے جس ہمت وحوصلے اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس کے مرض کے طویل دورانیے اور جدائی کے کٹھن لمحات کو طے کیا، اس میں بھی سیکھنے کا جذبہ رکھنے والوں کو بہت کچھ ملا۔ اللہ تعالیٰ عزیز عبداللہ عرفان رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، اس کی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے اور طلبائے علمِ دین کو اس جیسا شوق وذوقِ علم نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

دارُ الإفتاء

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ تبلیغِ دین!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علماء دینِ متین اس مسئلہ میں کہ دورِ حاضر میں جدید ترین ذرائعِ ابلاغ برائے دعوتِ دین، تبلیغ وتلاوتِ کلام پاک کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

تفصیل حسب ذیل ہے:

۱:...... کیا ٹی وی چینلز پر براہِ راست نشر ہونے والے دینی پروگراموں میں، مذاکرات، مباحثات میں حصہ لینا جائز ہے؟ جبکہ ٹی وی پروگرام خواہ وہ براہِ راست ہو یا ریکارڈنگ، اس میں کیمرے کا استعمال ضروری ہے۔

۲:...... کیا دینی پروگراموں میں ویڈیو کی شکل بغرضِ اشاعت پھیلانا جائز ہے؟ اور باعثِ اجر ہوگا یا نہیں؟

۳:...... انٹرنیٹ، کمپیوٹر پر فتاویٰ جاری کرنا یا ویڈیو درسِ قرآن ڈاؤن لوڈ، اپ لوڈ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴:...... جو ادارے، تنظیمیں، درسِ قرآن، درسِ حدیث، دینی مباحثے، ویڈیو کیسٹس تیار کرواکر تقسیم کرتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟

مستفتی: مفتی محمد رویس خان ایوبی، مولانا عابد حسین بٹ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ ''ہم لوگ (مسلمان) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں گے، ہاں! اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغ

دین کے لیے جتنے جائز ذرائع اور وسائل ہمارے بس میں ہیں، ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کردیں۔ اسلام نے جہاں ہمیں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔ ہم ان آداب اور طریقوں کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو یہ عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور تبلیغ کے آداب کو پسِ پشت ڈال کر جس جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو، لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔ اگر جائز وسائل کے ذریعے اور آدابِ تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو دین کا پابند بنادیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کرکے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، کیونکہ دین کے احکام کو پامال کرکے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی۔‘‘

(از حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، بحوالہ نقوشِ رفتگاں، ص:۱۰۴، ۱۰۵، تالیف: مفتی محمد تقی عثمانی عفی عنہ)

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا منقولہ ارشاد اسی تناظر میں وارد ہوا کہ علماء اسلام ٹی وی اور دیگر ایسی جدید ذرائع ابلاغ کو تبلیغ کا ذریعہ بناسکتے ہیں یا نہیں؟ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اکابر کی رائے اور فتویٰ یہی ہے کہ ٹی وی اور دیگر تصویری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ تبلیغِ دین کے نہ صرف یہ کہ ہم مکلّف نہیں، ان ذرائع کے ناجائز ہونے کی وجہ سے ان آلاتِ لہو ولعب کو ذریعۂ تبلیغ بنانا جائز بھی نہیں ہے۔

۱:...... مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ٹی وی جیسے آلۂ لہو ولعب، بے دینی، فواحش ومنکرات کے مرکز پر مختلف دینی پروگرام نشر کرنا، ان پروگراموں، مذاکروں میں شرکت کرنا، ناجائز اور حرام ہے اور اُسے اشاعتِ دین کا نام دینا دین کی سخت بے حرمتی ہے۔

۲:...... جاندار کی ویڈیو تصویر کے حکم میں ہے، اس لیے اس کی اشاعت تصویر کی اشاعت ہے۔ آڈیو کیسٹ کی اشاعت جائز ہے۔ ویڈیو کی اشاعت اس وقت جائز ہے جب جان دار کی نہ ہو اور دیگر مواد بھی جائز ہو۔

۳:...... اسی طرح انٹرنیٹ پر جاندار کی ویڈیو والا درسِ قرآن ڈاؤن لوڈ کرنا اور اَپ لوڈ کرنا درست نہیں، وجہ اس کی درسِ قرآن نہیں ہے، بلکہ تصویر ہے۔

۴:...... جو ادارے یا تنظیمیں درسِ قرآن، درسِ حدیث یا دیگر دینی پروگرام ویڈیو کیسٹوں میں محفوظ کرکے فروخت کرتے ہیں یا مفت تقسیم کرتے ہیں ان کا فعل ناجائز ہے۔ نیز اس کو کمائی کا ذریعہ

بنانا بھی جائز نہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ‘‘ (المائدہ:۲)

’’اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔‘‘ (ازمختصر ترجمۂ بیان القرآن، ص:۹۵،تاج کمپنی)

حدیث شریف میں ہے:

’’عن عبد اللّٰہ بن مسعودؓ قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: أشد الناس عذاباً عند اللّٰه المصورون۔‘‘ (مشکاۃ، باب التصویر،ص:۳۸۵، ط:قدیمی)

ترجمہ: ’’حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’خدا کے ہاں سخت ترین عذاب کا مستوجب مصور ہے۔‘‘

فتاویٰ شامی میں ہے:

’’وظاهر کلام النووي فی شرح المسلم: الإجماع علی تحریم تصویر الحیوان وقال: وسواء لما صنعهٗ لما یمتهن أو لغیره فصنعتهٗ حرام بکل حال لأنهٗ فیه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالٰی......الخ‘‘ (باب مکروہات الصلاۃ، ج:۱،ص:۶۴۷، ط:سعید)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

’’قراء ة القرآن علٰی ضرب الدف، والقضیب یکفر للاستخفاف، وأدب القرآن أن لایقرأ فی مثل هٰذا المجالس والمجلس الذی اجتمعوا فیه للغناء والرقص لایقرأ فیه القرآن کما لایقرأ فی البیع والکنائس لأنه مجمع الشیطان۔‘‘ (ج:۶،ص:۳۲۸،ط،رشیدیہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

’’لایقرأ جهرا عند المشتغلین بالأعمال، ومن حرمة القرآن أن لایقرأ فی الأسواق وفی مواضع اللغو کذا فی القنیة۔‘‘ (ج:۵،ص:۳۱۶، ط:رشیدیہ)

الدرالمختار میں ہے:

’’قلت: وقدمنا ثمة معزیا للنهر أن ما کانت المعصیة بعینه یکره بیعهٗ تحریمًا، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع ۔‘‘ (ج:۲،ص:۳۹۱،ط:سعید) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہٗ
ابوبکرسعیدالرحمٰن	محمدانعام الحق	رفیق احمد	واجدعلی
			تخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نَقدُ و نظَر

ادارہ

نعم الوجيز فی إعجاز القرآن العزيز (عربی)

العلامۃ الموسوعی عبدالعزیز بن احمد بن حامد الفرہاروی الملتانی ۔ تحقیق، تصحیح وتعلیق: محمد عبداللہ شارق ۔ صفحات: ۱۷۴۔ قیمت: درج نہیں ۔ ناشر: کتب خانہ مجیدیہ، اردو بازار، بوہڑ گیٹ، ملتان ۔

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نایاب کتاب ''نعم الوجیز فی إعجاز القرآن العزیز '' قرآنی بلاغت کے موضوع سے متعلق ہے ۔ تحقیق وتصحیح اور تعلیق وتقدیم کے جدید ومروجہ علمی کام کے ساتھ حال میں چھپ کر منظر عام پہ آئی ہے ۔

کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حتی المقدور تمام قواعد کی مثالیں قرآن سے دی گئی ہیں ۔ بلاغت کی معروف اور مروجہ نصابی کتابیں ''تلخیص المفتاح، مختصر المعانی، دروس البلاغة، البلاغة الواضحة وغیرہ'' جو متاخرین کی تحریر کردہ ہیں، ان میں قرآنی مثالیں بہت نادر اور زیادہ تر مثالیں غیر قرآنی ہی ہیں، اس وجہ سے بلاغت کی ان کتابوں کے پڑھنے سے جو اصل مقصود تھا کہ طالب علم کے سامنے قرآنی بلاغت ہی کی مثالیں آئیں، وہ کما حقہ پورا نہیں ہوتا ۔ متقدمین کے ہاں اگر قواعد کے ضبط وتنقیح میں کچھ کمی رہ گئی تھی تو اُسے دور کرکے مزید بہتری کی کوشش کی ہے ۔ تاہم ضرورت تھی کہ متاخرین کی طرز (جو صدیوں سے خصوصاً مشرق اور برصغیر کے دینی مدارس میں مقبول رہی ہے) پر قواعد کو مکمل ضبط وتنقیح کے ساتھ درج کرتے ہوئے قرآنی تمثیلات اور تمرینات پیش کی جائیں ۔ علامہ پرہاڑویؒ کی کتاب کی خصوصیت یہی ہے کہ اس نے اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے علم بلاغت کو اس کی اصل غایت کی طرف لوٹا دیا ہے، کیونکہ عربوں میں علوم بلاغت کی تصنیف وتدوین کا مقصد قرآنی بلاغت ہی کو آشکارا کرنا تھا اور یہی متقدمین کا منہج تھا کہ وہ زیادہ تر قواعد کی مثالیں قرآن ہی سے دیتے ۔ یہ خصوصیت کتاب کی اہمیت کو دوچند کردیتی ہے ۔ ترجمۃ المصنف، تخریج آیات، تخریج احادیث اور ترجمۃ الاعلام کے ساتھ ساتھ نہایت عرق ریزی سے عبارات کی تفہیم، قواعد کی توضیح اور قرآن اعجاز وبلاغت کی تشریح سے

متعلق تقدیم وتعلیق میں کافی مواد شامل کرتے ہوئے اس کتاب کو جدید علمی منہج کے اعتبار سے ایک مکمل کتاب بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کا حق تو یہ ہے کہ اسے مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے، لیکن ابتدائی سطح پر اہل علم کے سامنے اس کا تعارف آ جانا ہی اس کی حق شناسی ہے۔ البتہ کتاب کا کاغذ معیاری نہیں ہے، امید ہے آئندہ ایڈیشن میں کتاب کے شایانِ شان کاغذ کا انتخاب کیا جائے گا۔

إنعام اللّٰہ المنان فی مناقب الإمام النعمانؒ یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ (دو جلدیں)

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب۔ مدیر: ماہنامہ ''الہلال'' مانچسٹر۔ صفحات جلد اول: ۶۰۰، جلد دوم: ۵۶۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر (برطانیہ)۔ پاکستان میں ملنے کا پتا: صدیقی ٹرسٹ، المنظر اپارٹمنٹ: ۴۵۸، گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی۔

امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہم عصروں میں جو مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے اور جو اُن سے اپنے دینِ متین کی حفاظت وصیانت کا کام لیا ہے، یہ صرف انہی کا ہی خاصہ ہے اور جتنا ان کی ذات اور شخصیت پر لکھا گیا ہے، شاید ہی کسی اور پر لکھا گیا ہو۔ مثال مشہور ہے کہ ''درخت جتنا پھل دار ہوتا ہے، اتنا ہی اس پر پتھر برستے ہیں۔'' کچھ کوڑھ مغز لوگ اب بھی موجود ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے طعن اور تیروں کا ہدف بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کے پیروکاروں اور ان کے معتقدین نے بھی آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کے مناقب پر کئی کتابیں اور رسائل لکھے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں جہاں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ علمی، آپ کے حالات اور مناقب کا تذکرہ ہے، وہاں مخالفین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات کو بھی بڑی تفصیل اور مدلل طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ مؤلف اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ دنوں (یہ آج سے سولہ سال پہلے کی بات ہے) ترکی کے ایک سفر کے دوران علامہ شہاب الدین حافظ ابن حجر ہیثمی مکیؒ کی تالیف ''**الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان**'' مترجم ہماری نظر سے گزری تو جی چاہا کہ اس کتاب کے قیمتی مضامین کا خلاصہ (کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے) ضروری نوٹس کے ساتھ اگر ایک جگہ کر دیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت شافعی عالم حضرت علامہ حافظ ابن حجرؒ کی زبانی امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تعارف ''**الفضل ما شهدت به أعلامهم**'' کی قبیل سے سامنے ہوگا، بلکہ موجودہ دور میں حضرت الامام اور آپ کی فقہ کے خلاف اُٹھنے والی آواز کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ اربعہ خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے کتنے پانی میں ہیں؟ اور یہ بھی کھل جائے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو یتیم اور مسکین فی الحدیث کہہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس

نکالنے والے یہ لامذہب لوگ اکابرینِ امت کی نظر میں کہاں کھڑے ہیں؟!۔‘‘ (ص:۱۵)

ماشاء اللہ! یہ کتاب ہر اعتبار سے اعلیٰ معیار پر ہے۔ امید ہے باذوق حضرات اس کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

احکام قرآن کا ثبوت بائبل سے

مفتی فواد اللہ کتوزوی صاحب۔ صفحات: ۲۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ العرب: ۹، بلال مسجد مارکیٹ، ۵ جے، سعید آباد، بلدیہ ٹاؤن کراچی۔ ملنے کا پتا: دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

زیرتبصرہ کتاب درج ذیل مضامین اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

ا: ’’تعارفِ بائبل‘‘ کے عنوان سے بائبل کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

بابِ اول: ’’کتاب العقائد‘‘ کے عنوان سے ہے، اس میں قرآن کریم کے تین اہم عقیدوں: توحید، رسالت اور آخرت پر قرآن اور بائبل کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ضمناً اس باب میں نزولِ مسیح علیہ السلام کی بحث کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

بابِ دوم: ’’کتاب العبادات‘‘ اس باب میں اسلام کی چار بنیادی عبادات، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو بائبل کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہی عبادات سابقہ امتوں میں بھی فرض رہی ہیں۔

بابِ سوم: ’’معاملات‘‘ اس عنوان کے تحت سب سے پہلے مسئلہ سود اور پھر حدود وتعزیرات کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم: ’’معاشرت‘‘ اس باب کے پہلے حصے میں اخلاقیات، مثلاً عفو ودرگزر وغیرہ، اور دوسرے حصے میں حقوق العباد کی بحث کی گئی ہے۔

بابِ پنجم: ’’حلال وحرام‘‘ اس عنوان کے تحت ان چیزوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو قرآن اور بائبل دونوں میں حرام ہیں، مثلاً خون، خنزیر اور شراب وغیرہ۔ کتاب کے آخر میں مآخذ ومصادر کی فہرست درج ہے۔ مؤلف موصوف جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل ہیں اور جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم کراچی کے مفتی اور استاذ ہیں۔

قرآن اور بائبل کے مشترک احکام کے موضوع پر غالباً اردو زبان میں یہ پہلی مفصل اور مدلل کتاب ہے جو مولانا کی محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قارئین کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے اور مولانا موصوف کو اپنے شایانِ شان جزائے خیر سے نوازے۔ کتاب کافی دلچسپ اور معلومات کا خزانہ ہے۔ امید ہے کہ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے حضرات اس کتاب کا ایک بار ضرور مطالعہ فرمائیں گے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....